کیٹی پھانسی کے تختے پر

اے حمید

PVL
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY

ناگ، ماریا اور عنبر کی واپسی
کے پانچ ہزار سالہ سفر کی سنسنی خیز داستان

کیٹی پھانسی کے تختے پر

اے حمید

پیارے دوستو!

عنبر سانپ سے انسانی روپ میں واپس آ کر مغل شہزادہ شاہ عالم کے ہمراہ رات کی تاریکی میں دلی شہر کی طرف جا رہا ہے جہاں شہزادے کی ماں ملکہ اور اس کی بہن شہزادی زیب النساء کو امیر تیمور نے قید میں ڈال رکھا ہے اور انہیں اذیتیں دے کر ان سے شاہی محل میں دفن خزانہ کا پتہ پوچھ رہا ہے۔ عنبر ملکہ اور شہزادی کو ظالم حکمران کی قید سے نجات دلانا چاہتا ہے۔ دوسری طرف خلائی لڑکی کیٹی ناگ کے ساتھ لاہور کے ہلٹن ہوٹل میں ڈی آئی جی کا روپ بدل کر جاتی ہے کہ وہاں اصلی ڈی آئی جی آ جاتا ہے۔ کیٹی اسے دیکھ کر گورنر کا روپ بدل لیتی ہے۔ ڈی آئی جی فون کر کے پتہ کرتا ہے کہ گورنر صاحب کو گورنر ہاؤس میں ہیں۔ پھر یہ ہوٹل میں کون گورنر بن کر آ گیا ہے؟ ڈی آئی جی پولیس کو

قیمت ۵/۵۰ روپے

جملہ حقوق بحق پبلشرز محفوظ ہیں
بار اول ——— ۱۹۸۳ء
ناشر: نیا مکتبہ اقرار، ۲۰ابی شاہ عالم مارکیٹ لاہور
طابع: التعمیر پرنٹرز، لاہور

لے کر خلائی لڑکی کیٹی کے کمرے پر چھاپہ مارتا ہے مگر اندر جو آدمی بیٹھا ہوتا ہے اس کو دیکھ کر وہ کانپنے لگ جاتا ہے۔ وہ آدمی کون تھا؟ یہ آپ خود پڑھ کر معلوم کیجئے اور لطف اٹھایئے۔

آپ کا ساتھی

اے حمید

ترتیب

○ موت کی سرنگ
○ تہ خانے میں لاشیں
○ آج رات قبر کھولیں گے
○ بوڑھا سانپ۔ سونے کی اشرفیاں
○ کیٹی پھانسی کے تختے پر

موت کی سُرنگ

ان کے ارد گرد رات کی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔

آسمان پر جو ستارے چمک رہے تھے ان کی دھیمی دھیمی چمک میں آس پاس کے میدان میں درختوں کے جھنڈوں اور کہیں کہیں چھوٹے چھوٹے ٹیلوں کے خاکے دکھائی دے رہے تھے۔ عنبر غلام یاقوت کے روپ میں مغل شہزادہ شاہ عالم کے ساتھ گھوڑے پر سوار دلّی کی طرف جا رہا تھا۔ جہاں مغل شہزادے کی والدہ ملکہ زمانی اور بہن زیب النساءؔ کو ظالم امیر تیمور نے دلّی کے تخت پر قبضے کے بعد قید میں ڈال رکھا تھا اور انہیں اذیتیں دے رہا تھا۔ وہ ان سے معلوم کرنا چاہتا تھا کہ ان کے بادشاہ کا قیمتی شاہی خزانہ محل میں کس جگہ دفن ہے جب کہ ان بے چاری ماں بیٹی کو کچھ پتہ نہیں تھا کہ خزانہ کس جگہ پر دفن ہے شاہ عالم شہزادہ، دلّی سے جان بچا کر جنگل میں چھپ گیا تھا۔ اس کے سپیرے غلام دبلو کے پاس عنبر سانپ کی شکل

میں پٹاری میں بند تھا۔ سپیرے غلام نے ملکہ اور شہزادی کو بچا کر فرار کروانے کی کوشش کی اور شدید زخمی ہو کر شہزادے کے پاس کسی نہ کسی طرح پہنچ گیا اور اسے بتایا کہ اس کی والدہ اور بہن کو قید خانے میں سخت تکلیفیں دی جا رہی ہیں اس کے بعد وہ مر گیا۔ عنبر سانپ کی شکل میں پٹاری میں بند شہزادے کی جھونپڑی میں پڑا تھا۔ جب سات دن پورے ہو گئے تو وہ انسان کی شکل میں آ گیا۔ مگر شہزادے پر اس نے یہ ظاہر نہ کیا کہ وہ سانپ تھا اور اب عنبر بن گیا ہے بلکہ وہ چپکے سے جھونپڑی سے نکل کر دریا کی طرف چلا گیا اور پھر وہاں سے مسافر کی شکل میں شہزادے کے پاس آیا جو دریا پر منہ ہاتھ دھو رہا تھا۔ اور کہا کہ میں مسافر ہوں۔ آپ مجھے اپنا خادم سمجھ کر اپنے پاس رکھ لیں۔ شہزادہ شاہ عالم نے عنبر سے پوچھا کہ وہ کون ہے؟

عنبر نے کہا:

"حضور! میرا نام یاقوت ہے اور میں آپ کے نمک حلال غلام دبلو سپیرے کا چھوٹا بھائی ہوں۔"

شہزادہ بڑا خوش ہوا۔ پھر اسے گلے لگایا اور دکھ کے ساتھ اس کے بھائی کی موت کی خبر سنائی۔ عنبر نے یونہی جھوٹ موٹ کا افسوس کیا۔ جب شہزادے نے عنبر کو اپنی ماں ملکہ زمانی

اور بہن زیب النساء کی تکلیفوں کا حال سنایا تو عنبر نے کہا کر چلیے دلّی چلتے ہیں اور ملکہ اور زیب النساء شہزادی کو وہاں سے فرار کروانے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ انہیں امیر تیمور کے ظلم وستم سے نجات ملے۔

شہزادہ تیار ہو گیا، مگر اس نے کہا:

"دلّی میں امیر تیمور کے سپاہی قدم قدم پر میری تلاش میں پھر رہے ہوں گے"

عنبر بولا:

"ہم ان سے چھپ کر کسی جگہ رہیں گے"

عنبر اور شہزادہ عالم شاہ ساری رات سفر کرتے رہے۔

دوسرے دن انہوں نے دن بھر آرام کیا۔ عنبر ایک قریبی گاؤں سے کھانے پینے کی کچھ چیزیں لے آیا۔ شام کو جب اندھیرا چھانے لگا تو انہوں نے گھوڑوں کی زینیں کسیں اور ان پر سوار ہو کر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔

رات بھر کے سفر کے بعد ابھی دن نہیں نکلا تھا کہ انہیں دُور سے شہر دلی کی چار دیواری کا خاکہ دکھائی دینے لگا:

"ہم شہر میں پہنچنے والے ہیں یاقوت!"

عنبر نے کہا:

"ہاں شہزادہ شاہ عالم! مگر آپ کو کسی ایسی جگہ چھپانا چاہتا

ہوں جہاں کے لوگ وفادار ہوں اور آپ کی اور میری مخبری کر کے ہمیں امیر تیمور کے سپاہیوں کے ہاتھوں گرفتار نہ کروا دیں"

"اس کے لیے پھر ہمیں کسی خفیہ جگہ پر جا کر ٹھہرنا ہو گا" شہزادے نے کہا:

عنبر نے پوچھا:

"شہزادے! شہر میں یوں تو آپ کے وفادار بہت لوگ ہوں گے مگر کیا کوئی ایسا شخص ہے جس پر بھروسہ کیا جا سکے۔ مطلب یہ کہ اسے کوئی لالچ غداری کرنے پر آمادہ نہ کر سکے؟

شہزادے نے کہا:

"عبداللہ نام کا ایک خادم ہے جو شاہی محل میں باغبان ہے۔ اس پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے"

عنبر بولا:

"تو پھر چلیے ہم اسی کے ہاں چلتے ہیں۔ آپ کو اس کے گھر کا پتہ معلوم ہے نا؟"

"ہاں۔ میں ایک بار اس کے گھر گیا تھا" شہزادے نے کہا

عبداللہ باغبان کا گھر شہر کی چار دیواری کے اندر ایک باؤلی کے پاس تھا جس کا پانی ایک نہر کی شکل میں عبداللہ کے

گھو کے قریب سے گزرتا تھا۔ یہ پانی باؤلی کے اندر ہی اندر سے قلعے کے شاہی باغ میں سے ہوتا ہوا شاہی محل کے باغوں میں جاتا تھا۔ عبداللہ کے گھر شہزادہ اور عنبر منہ اندھیرے ہی پہنچ گئے۔ ادھیڑ عمر عبداللہ نماز پڑھ کر فارغ ہی ہوا تھا اور گھوڑے کو دانہ ڈال رہا تھا۔ اس کی جوان بیٹی بانو دودھ بلو رہی تھی۔

دو گھوڑ سواروں کو اپنے مکان کی ڈیوڑھی کے باہر اترتا دیکھ کر عبداللہ باہر آ گیا۔

"کون ہو تم بھائی؟" اس نے پوچھا:

"السلام علیکم بابا عبداللہ!"

شہزادے نے قریب آ کر کہا۔

عبداللہ نے شہزادے شاہ عالم کو فوراً پہچان لیا۔ عنبر کی طرف دیکھ کر بولا:

"یہ کون ہے؟"

شہزادے نے کہا:

"یہ میرا دوست یاقوت ہے۔"

"آپ شہر کے دروازے میں سے کیسے نکلے؟" عبداللہ نے پوچھا:

"بس کسی نے مجھے پہچانا نہیں۔"

عبداللہ شہزادے کو لے کر اندر گیا۔ چارپائی ڈال کر اوپر نئی چادر بچھائی اور دودھ پیش کیا۔ پھر اداسی کے ساتھ بولا:

"شہزادہ صاحب! امیر تیمور نے محل کو برباد کر دیا ہے۔ شہزادہ عالم ثانی کو بڑی اذیتیں دے کر ہلاک کر ڈالا۔ شاہی خاندان پر یہ کیسی مصیبت ٹوٹ پڑی!"

شہزادے نے اپنی والدہ اور بہن کا پوچھا تو عبداللہ نے کہا:

"انہیں تیمور نے قید میں ڈال رکھا ہے۔ وہ بے چاری بہت بری حالت میں ہیں۔ کسی نے ان کی شکل تک نہیں دیکھی۔ سنا ہے کہ ایک کنیز انہیں کسی نہ کسی طرح چھپ چھپا کر کھانا پہنچا دیتی ہے۔"

شہزادے نے کہا:

"سنا ہے تیمور ان سے کسی خزانے کا پوچھ رہا ہے مگر انہیں تو کسی خزانے کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔"

عبداللہ بولا:

"ہاں محل میں یہی بات سنی جاتی ہے۔ مگر شہزادے تم نے یہاں آنے کا خطرہ کیوں مول لیا ہے۔ تیمور تو تمہارے خون کا پیاسا ہو رہا ہے۔ اس نے دس ہزار اشرفیاں تمہارے سر کے عوض انعام دینے کا

اعلان کر رکھا ہے۔"

شہزادے نے کہا:

"عبداللہ! تم میرے بزرگ ہو اور شاہی خاندان کے وفادار ہو۔ تم نے مجھے کھلایا ہے۔ میں تم پر بھروسہ کر سکتا ہوں۔"

عبداللہ نے کہا:

"شہزادے! میری جان بھی تم پر قربان ہے۔"

شہزادہ بولا:

"تو پھر میری بات غور سے سنو۔ میں اور میرا یہ دوست یاقوت۔ ہم اس لیے یہاں آئے ہیں کہ ملکہ زمانی اور شہزادی زیب النساء کو قلعے کی قید سے نکال کر لے جائیں۔"

عبداللہ نے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر کہا:

"آہستہ بولو شہزادے! دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔"

پھر اس نے اُٹھ کر ڈیوڑھی میں جا کر دیکھا کہ کوئی ہمسایہ تو ان کی باتیں نہیں سن رہا۔ پھر شہزادے کے پاس آ کر کہنے لگا:

"شہزادے! ملکہ زمانی بیگم اور شہزادی صاحبہ کو شاہی قلعے کے قید خانے سے نکال کر بھگا لے جانا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ قلعے کے باہر اور اندر ہر طرف سخت پہرہ لگا ہے اور جس تہہ خانے میں ملکہ اور شہزادی صاحبہ قید ہیں وہاں تو چڑیا بھی پَر نہیں مار سکتی۔"

شہزادے نے کہا:

"خواہ میری جان چلی جائے مگر میں اپنی والدہ صاحبہ اور بہن کو ظالم کی قید سے نکال کر رہوں گا۔ میں نے فیصلہ کر رکھا ہے۔ تم ہمیں یہ بتاؤ کہ اس سلسلے میں کیا مدد کر سکتے ہو؟"

عبداللہ سوچ میں پڑ گیا۔ اس کی بیٹی بانو بھتالیوں میں مکھن اور روٹی ڈال کر لے آئی۔

شہزادہ اور عنبر روٹی کھانے لگے۔

شہزادے نے کہا:

"عبداللہ بابا! تم نے میری درخواست کا کوئی جواب نہیں دیا۔"

عبداللہ بولا:

"ملکہ عالم پر میری جان فدا ــــ مگر شہزادے میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں؟"

عنبر خاموش بیٹھا ان دونوں کی باتیں سن رہا تھا۔ وہ ان باتوں میں بالکل دخل دینا نہیں چاہتا تھا۔

شہزادے نے کہا:

"کیا تم کسی طرح ہمیں شاہی قلعے میں داخل کروا سکتے ہو؟"

عبداللہ بولا:

"شہزادہ صاحب! آپ شاہی قلعے کو مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ قلعے میں ہر طرف پہرہ لگا ہوتا ہے۔ اور آج کل تو قلعے کے اندر اور باہر مغل سپاہیوں کی بجائے امیر تیمور کے اپنے ترک سپاہی پہرہ دے رہے ہیں اور وہ جس پر ذرا سا بھی شبہ ہو اسے وہیں قتل کر ڈالتے ہیں۔"

شہزادے نے کہا:

"اس کا مطلب ہے کہ تم ہماری کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ مگر کوئی بات نہیں۔ کیا تم ہماری اتنی مدد کر سکتے ہو کہ ہم تمہارے مکان میں کچھ دیر چھپے رہیں؟"

"کیوں نہیں۔" عبداللہ نے کہا:

"یہ آپ کا گھر ہے آپ جب تک چاہیں یہاں رہ سکتے ہیں، لیکن آپ کو بڑی احتیاط کرنی ہوگی۔ کیوں کہ باہر کوئی بھی دس ہزار اشرفیوں کے لالچ میں آ کر آپ کو پکڑوا سکتا ہے۔ کیوں کہ یہاں کے لوگ آپ کی شکل پہچانتے ہیں۔"

شہزادے نے کہا:

"میں بلا ضرورت یہاں سے باہر نہیں جاؤں گا۔ اگر کسی وجہ سے باہر جانا بھی پڑا تو بھیس بدل کر جاؤں گا۔"

کھانے کے بعد عنبر اور شہزادہ سو گئے۔ وہ تھکے ہوئے تھے۔ شام تک سوتے رہے۔ شام کو اُٹھ کر انہوں نے غسل کیا اور تھوڑا سا قہوہ پی کر عبداللہ کی کوٹھڑی میں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ عبداللہ شاہی قلعے اپنی نوکری پر گیا ہوا تھا۔ شہزادے نے عنبر سے پوچھا:

"یاقوت! تمہارا کیا خیال ہے؟"

عنبر نے کہا:

"عبداللہ مجبور ہے۔ وہ آپ کا وفادار خادم ہے مگر اس کی مجبوری ہے کہ وہ آپ کو قلعے کے اندر نہیں لے جا سکتا۔"

شہزادہ بولا:

"پھر کیا کیا جائے؟ ہمارا قلعے کے اندر جانا بہت ضروری ہے۔"

عنبر کہنے لگا:

"اس کے لیے کوئی طریقہ سوچا جا سکتا ہے۔"

شہزادے نے کہا:

"کیا ہم غلاموں کا بھیس بدل لیں؟"

عنبر نے کہا:

"اس طرح ہم پکڑے جائیں گے۔ آپ کو فوراً پہچان لیا جائے گا۔"

"تو پھر تم کیا مشورہ دیتے ہو؟"

عنبر غور کرنے لگا۔ پھر اس کا دھیان باؤلی کی طرف چلا گیا جس کے اندر ہی اندر سے ایک سرنگ کی شکل میں دریا کا پانی شاہی باغ میں قلعے کے اندر جاتا تھا۔ اس نے کہا:

"ایک ترکیب دماغ میں آئی ہے۔"

"وہ کیا ہے؟" شہزادہ عالم نے جلدی سے پوچھا:

عنبر نے کہا:

"عبداللہ کے گھر کے سامنے سے باؤلی کا پانی گذرتا ہے۔"

"ہاں گذرتا ہے۔"

"یہ پانی باؤلی کے اندر ہی اندر ایک سرنگ کی شکل میں شاہی قلعے میں داخل ہو جاتا ہے۔ کیوں نہ ہم پانی کی اس سرنگ میں سے گذر کر قلعے میں پہنچ جائیں! کیا خیال ہے؟"

شہزادہ ایک لمحے کے لیے سوچنے لگا۔ یہ ترکیب اسے پسند آئی تھی۔ مگر وہ اس پر غور کرنے لگا تھا۔

"کیا سرنگ کے اندر پانی چھت سے نیچے ہو کر بہتا ہے۔ کیوں کہ اگر چھت کے بالکل ساتھ لگ کر بہہ رہا ہو گا تو ہم پانی میں ڈوب جائیں گے۔"

عنبر بولا:

"اس کے بارے میں پتہ لگایا جا سکتا ہے۔"

"وہ کیسے؟" شہزادہ شاہ عالم نے پوچھا:

عنبر نے کہا:

"یہ میں آج رات ہی پتہ چلا لوں گا۔ میں پانی میں تیر کر سرنگ کے اندر جا کر معلوم کر لوں گا کہ پانی چھت کے ساتھ لگ کر گذرتا ہے کہ چھت اور پانی کے درمیان تھوڑا فاصلہ ہے۔"

رات کو کھانے سے فارغ ہو کر عنبر باؤلی کے پانی میں

اُتر گیا۔

ادھر شہزادہ عبداللہ سے باتیں کرنے لگا۔ اُس نے کہا:

"کیا کسی طرح ملکہ صاحبہ اور شہزادی کو یہ خبر دی جا سکتی ہے کہ میں ان کو قید سے نکال لے جانے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

عبداللہ نے پوچھا:

"اس سے کیا ہو گا؟"

شہزادہ بولا:

"اس طرح سے ملکہ سلامت اور شہزادی کو تسلی ہو جائے گی کہ میں ان سے غافل نہیں ہوں اور ان کو قلعے سے نکال کر لے جانے کے لیے آ گیا ہوں۔"

عبداللہ نے کہا:

"میں آپ کو مشورہ دوں گا کہ آپ ملکہ سلامت تک یہ بات نہ پہنچائیں۔ کیوں کہ اگر کسی طرح سے یہ بات باہر نکل کر محل میں پھیل گئی تو امیر تیمور ملکہ سلامت اور شہزادی صاحبہ کا جینا اور بھی حرام کر دے گا اور وہ انہیں اذیتیں دے کر پوچھنے کی کوشش کرے گا کہ شہزادہ عالم کہاں چھپا ہوا ہے۔"

عبداللہ کا یہ مشورہ شہزادے کو پسند آیا۔ اس نے کہا:

"ٹھیک ہے۔ میں اپنی آمد کے راز کو چھپائے رکھوں گا۔ لیکن کیا تم یہ بتا سکتے ہو عبداللہ بابا کہ وہ کون سی کنیز ہے جو میری ماں اور بہن کو چھپ کر کھانا پہنچا دیتی ہے؟"

عبداللہ بولا:

"وہ گلنار کنیز ہے۔"

شہزادے نے جھٹ کہا:

"خدا گلنار کو سلامت رکھے۔ میں اسے جانتا ہوں۔ اس نے شاہی خاندان سے وفاداری اور نمک حلال کا حق ادا کر دیا ہے۔"

ادھر یہ باتیں ہو رہی تھیں۔ ادھر عنبر باؤلی کے ٹھنڈے پانی کی چھوٹی سی نہر میں سے گذرتا باؤلی کے منہ کی طرف جا رہا تھا۔ جہاں سے پانی باؤلی کی سرنگ میں داخل ہو جاتا تھا۔ یہاں پانی عنبر کے گھٹنوں گھٹنوں تک تھا۔ لیکن جب وہ سرنگ میں داخل ہوا تو پانی اس کی چھاتی تک آ گیا۔ پانی اور چھت کے درمیان کافی فاصلہ تھا اور عنبر کی گردن پانی سے باہر تھی اور اس کا سر سرنگ کی چھت سے لگ رہا تھا۔ پانی کی سرنگ بہت

تنگ تھی۔ پانی کا بہاؤ اتنا تیز نہیں تھا۔ عنبر سرنگ کے اندر ہی اندر کافی دور تک نکل گیا۔ ہر جگہ پانی کی سطح ایک جیسی تھی اور اس کی گردن پانی سے باہر رہتی تھی۔ عنبر واپس آ گیا۔ عبداللہ کے گھر آ کر اس نے شہزادے کو بتایا کہ پانی سرنگ کی چھت تک نہیں جاتا۔ شہزادے نے اپنی سکیم عبداللہ کو بھی بتا دی۔ چونکہ وہ شاہی قلعے کا باغبان تھا اس لیے اسے پتہ تھا کہ پانی کہاں کہاں گرتا ہے اور سرنگ اندر سے کیسی ہے۔ کہنے لگا:

"تم لوگوں نے بڑی خطرناک سکیم بنائی ہے تمہیں شاید پتہ نہیں کہ جب پانی کی یہ نہر شاہی قلعے میں پہنچنے لگتی ہے تو اس کے منہ پر لوہے کا جال چڑھا دیا گیا ہے۔ تم لوہے کے اس جال کو کیسے کاٹو گے؟"

عنبر نے کہا:

"میں اپنے ساتھ لوہے کا جال کاٹنے والا اوزار لے جاؤں گا۔"

حالانکہ اسے معلوم تھا کہ لوہا کاٹنے والا اوزار وہ خود ہے اور اسے کسی اوزار کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

عبداللہ کہنے لگا:

"باؤلی کا پانی قلعے کے جنوبی حصے والے باغ کے بڑے تالاب میں گرتا ہے جہاں سے وہ چھوٹی چھوٹی نہروں میں تقسیم ہو کر قلعے اور شاہی محلات کے باغوں میں پھیل جاتا ہے۔"

شہزادے نے کہا:

"میں نے یہ تالاب دیکھا ہوا ہے۔ وہاں سے قلعے کے نیچے تہہ خانے کو جانے والا راستہ دو تختے چھوڑ کر ہے۔"

عبداللہ نے کہا:

"ہاں — مگر شہزادہ صاحب! آپ قلعے کے تہہ خانے میں کیسے پہنچیں گے۔ وہاں تو تیمور کے جلاد سپاہی ہر وقت پہرے پر ہوتے ہیں اور اگر کسی طرح تہہ خانے میں پہنچ بھی گئے تو ملکہ سلامت اور شہزادی صاحبہ کو لے کر کیسے وہاں سے فرار ہوں گے۔"

شہزادہ بولا:

"بابا! اگر ان باتوں پر غور کرتے رہے تو ہم کبھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوں گے اور ملکہ سلامت اور شہزادی صاحبہ کی زندگیوں کے چراغ

گل ہو جائیں گے۔"

عبداللہ نے کہا:

"مگر ان باتوں پر غور کرنا بھی تو ضروری ہے آخر ہمیں آپ کی زندگی بھی عزیز ہے۔"

شہزادے نے کہا:

"بابا! یہ ساری باتیں ہیں قلعے کے اندر جا کر سوچوں گا۔ کیا معلوم وہاں خدا میرے لیے بہتری کے کیا حالات پیدا کر دیتا ہے۔"

عبداللہ خاموش ہو گیا۔

عنبر نے کہا:

"تو پھر آج رات ہی ہمیں خدا کا نام لے کر نکل جانا چاہیے۔"

شہزادے نے کہا:

"ہاں یاقوت۔ ہم آج ہی آدھی رات کو باؤلی کی سرنگ کے ذریعے قلعے میں داخل ہونے کی کوشش کریں گے۔ تمہیں لوہے کی جالی کاٹنے والا اوزار ابھی سے ساتھ رکھ لینا چاہیے۔

عبداللہ نے کہا:

"میرے پاس ایک پرانا اوزار ہے۔ یہ لوہے کی

ایک قینچی ہے جو لوہا کاٹ ڈالتی ہے۔ میں وہ تمہیں دے دوں گا۔"

جب رات آدھی گزر گئی اور عبداللہ کے مکان کے ارد گرد گہرا اندھیرا اور خاموشی چھا گئی تو وہ عبداللہ کے گھر کی ڈیوڑھی سے باہر نکل آئے۔ عنبر نے یونہی دکھانے کے لیے عبداللہ بابا کی دی ہوئی زنگ آلود قینچی ساتھ رکھ لی تھی۔ باؤلی کا پانی ایک چھوٹی سی ندی کی شکل میں بہہ رہا تھا۔ انہوں نے اللہ کا نام لیا اور ندی کے پانی میں اتر گئے۔ آگے آگے عنبر تھا اور اس کے پیچھے شہزادہ عالم چلا آ رہا تھا۔ پانی ٹھنڈا تھا مگر اس کا بہاؤ تیز نہیں تھا۔

دونوں بڑے آرام سے پانی میں آگے بڑھتے گئے۔ پچاس قدم چلنے کے بعد درختوں کا جھنڈ آ گیا۔ یہاں سے سرنگ شروع ہوتی تھی جس کے گول دروازے پر بھاری پتھر لگے ہوئے تھے۔ عنبر نے پیچھے پلٹ کر آہستہ سے کہا:

"شہزادہ صاحب! ہوشیار ہو جائیے۔ ہم سرنگ میں داخل ہو رہے ہیں۔"

"اللہ محافظ و ناصر ہے۔"

شہزادے نے اپنی تلوار سینے کے ساتھ باندھ رکھی تھی۔ ایک تلوار عنبر نے بھی محض دکھانے کے لیے اپنے سینے پر

باندھی ہوئی تھی۔ سرنگ کے منہ کے پاس جا کر ندی کی تہہ ڈھلانی ہونے لگی اور پانی کے سینے تک آ گیا۔

"بس یہ پانی اتنا ہی رہے گا۔ آگے جا کر سرنگ میں زیادہ سے زیادہ گردن تک آ جائے گا۔"

شہزادہ بولا:

"کہیں بہت آگے جا کر سرنگ پانی سے بھر تو نہیں جاتی؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمیں واپس آنا پڑے۔"

عنبر نے کہا:

"میں کافی دور تک جانچ پڑتال کر آیا تھا۔ میرا اندازہ ہے کہ سرنگ میں پانی بھرتا کہیں بھی نہیں۔"

"خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔" شہزادہ بولا۔

اب وہ سرنگ میں داخل ہو گئے تھے۔ ان کے ارد گرد گہرا اندھیرا تھا۔ عنبر تو اس اندھیرے میں بھی دیکھ سکتا تھا مگر شہزادہ عالم کو کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔

عنبر نے کہا:

"شہزادہ صاحب! آپ بے فکر ہو کر آہستہ آہستہ چلتے چلے آئیں۔"

"اللہ حافظ و ناصر ہے یاقوت۔ میں تمہارے پیچھے پیچھے چلا آ رہا ہوں۔"

عنبر اور شہزادہ پانی کی سرنگ میں آگے ہی آگے بڑھتے گئے۔ پانی ابھی تک ان کی گردنوں تک ہی تھا اور ان کے سر پانی سے باہر تھے اور وہ سانس لے سکتے تھے۔ عنبر کو بس ایک ہی ڈر تھا کہ اگر کہیں آگے جا کر سرنگ چھوٹی ہو گئی اور پانی اس کے اندر چھت تک آ گیا تو بڑی مشکل پیدا ہو جائے گی۔ وہ خود تو پانی کے اندر بھی زندہ رہ سکتا تھا مگر شہزادہ عالم پانی کے اندر پندرہ بیس سیکنڈ سے زیادہ نہ رہ سکے گا اور انہیں مجبوراً واپس آنا پڑے گا۔

مگر عنبر کا انداز درست نکلا۔ سرنگ میں آخر تک پانی ان کی گردن تک ہی رہا۔ کافی دیر سرنگ میں چلتے رہنے کے بعد اندھیرے میں عنبر کے ہاتھ ایک لوہے کی گول جالی ٹکرائے جو سرنگ کے منہ پر لگی تھی۔ یہاں انہیں بڑی تازہ ہوا بھی آنے لگی تھی۔

عنبر نے کہا:

"شہزادہ صاحب! ہم قلعے کے باغ میں داخل ہو چکے ہیں۔"

"یا اللہ تیرا شکر ہے۔"

"میں جالی کاٹنے لگا ہوں۔"

"جلدی کرو یاقوت۔ کہیں دن نہ نکل آئے۔"

عنبر نے تیغچی تو جیب میں ہی رہنے دی اور جالی کے سوراخوں میں دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ڈال کر ایک ہلکا سا جھٹکا دیا تو جالی ٹوٹ کر اس کے ہاتھوں میں آ گئی۔ اس نے جالی وہیں پھینکی اور پیچھے منہ کر کے شہزادے کو اپنے ساتھ آنے کے لیے کہا۔ سرنگ سے باہر نکل کر وہ قلعے کے شاہی باغ والے بڑے تالاب میں آ گئے۔ یہاں پانی کافی گہرا تھا اور انہوں نے تیرنا شروع کر دیا۔ وہ تازہ فضا میں نکل آئے تھے۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ اور اندھیرے میں شہزادے نے وہ درختوں کے جھنڈ اور بارہ دریاں دیکھیں جہاں کبھی وہ اپنی بہن شہزادی زیب النساء کے ساتھ سیر کیا کرتا تھا۔ اپنی بہن اور والدہ کی حالت کا خیال کر کے آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

عنبر آگے آگے تیر رہا تھا۔ وہ تیرتے ہوئے تالاب کے کنارے پر آ گئے اور پھر باہر نکل کر کنارے پر سے تیزی سے دوڑ کر درختوں کے جھنڈ میں جا کر چھپ گئے۔ ایک گہری خاموشی قلعے میں چھائی ہوئی تھی۔ کہیں سے کسی چوکیدار کی بھی آواز نہیں آ رہی تھی۔

عنبر نے سرگوشی میں پوچھا:

"قلعے کے تہہ خانے کو کون سا راستہ جاتا ہے؟"

شہزادے نے ایک بارہ دری کی طرف اشارہ کر کے کہا:

"اس بارہ دری کے پیچھے سے ہو کر ہم ایک سہ دری میں آ جاتے ہیں جہاں سے ایک دروازہ نیچے تہہ خانے کو جاتا ہے۔"

عنبر نے کہا:

"لیکن ہم اس طرح گئے تو سپاہی ہمیں پکڑ لیں گے۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں سپاہیوں کا بھیس بدلنا چاہیے"

شہزادہ کہنے لگا:

"مگر ہمارے پاس تو سپاہیوں کی وردیاں نہیں ہیں۔"

عنبر بولا:

"اگر کوئی سپاہی اِدھر آیا تو ہم اسے مار کر اس کی وردی پہن لیں گے۔"

عنبر اور شہزادہ عالم درختوں کی آڑ میں چھپے بیٹھے تھے۔ برسات کا زمانہ تھا۔ کیڑوں پتنگوں کی بہار تھی۔ اچانک گھاس میں سے ایک کالا سانپ نکل کر پھنکارتا ہوا سامنے آ گیا۔ شہزادے نے تلوار کھینچ کر اسے مارنا چاہا تو سانپ نے اچھل کر حملہ کر دیا۔ خوش قسمتی سے سانپ کا وار خالی گیا۔ اور عنبر نے بڑی تیزی سے سانپ کو گردن سے پکڑ لیا۔ سانپ نے عنبر کی کلائی پر ڈسا مگر پتھر کی طرح سخت کلائی

پر دانت مارنے سے اس کا ایک دانت ٹوٹ گیا۔ اب سانپ کو عنبر کے جسم سے ناگ دیوتا کی ہلکی ہلکی بُو آنے لگی تھی۔ کیوں کہ عنبر ناگ کا دوست تھا اور ایک مدت سے ساتھ ساتھ سفر کر رہے تھے جس کی وجہ سے عنبر اور ماریا میں بھی ناگ کی بُو آ گئی تھی۔

سانپ نے گردن جھکا دی۔ عنبر نے سانپ کی بولی ناگ سے سیکھ رکھی تھی۔ اُس نے کہا: تمہیں معلوم نہیں تھا کہ یہاں میں بیٹھا ہوا

"غلطی ہو گئی حضور! معاف کر دیں!"

شہزادے نے آہستہ سے کہا:

"یاقوت! سانپ کو کچلتے کیوں نہیں؟"

عنبر نے کہا:

"اس کی ضرورت نہیں رہی اب حضور!"

اور عنبر نے سانپ کو پرے پھینک دیا:

"اب یہ ادھر کبھی نہیں آئے گا۔"

شہزادے نے کہا:

"مگر اس نے تمہاری کلائی پر ڈسا تھا۔ میں نے خود اسے حملہ کرتے دیکھا ہے۔ تم ٹھیک تو ہو ناں؟"

عنبر مسکرایا:

"میں بالکل ٹھیک ہوں حضور! میں نے ایک ایسی بوٹی کھا رکھی ہے جس کی وجہ سے مجھ پر سانپ کے زہر کا اثر نہیں ہوتا۔"

"خاموش! کوئی ادھر آ رہا ہے۔" شہزادے نے سرگوشی کی۔

اندھیرے میں عنبر نے دیکھا کہ تین سپاہی آپس میں باتیں کرتے چلے آ رہے تھے۔ عنبر نے شہزادے کو اشارے سے بتایا کہ میں حملہ کرنے لگا ہوں۔ شہزادہ حیران ہوا کہ یہ شخص اکیلا تین سپاہیوں پر کیسے حملہ کرے گا۔ اس نے عنبر کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ اس طرح کرنے سے جھاڑیوں میں سرسراہٹ پیدا ہوئی اور سپاہی چوکنے ہو گئے۔ وہ تلواریں نکال کر جھاڑیوں کی طرف آ گئے۔ یہ بڑا نازک موقع تھا۔ شہزادے نے عنبر کو روک کر بڑی غلطی کی تھی۔ عنبر کو شہزادے کی جان کی فکر تھی۔ سپاہی جونہی قریب آئے۔ عنبر نے تلوار سونت کر حملہ کر دیا۔ اس نے ایک سپاہی کو کاٹ ڈالا۔ دوسرے کے سینے میں تلوار ماری تو تیسرے سپاہی نے شہزادے کو قابو کر کے اس کی گردن پر تلوار کی نوک رکھ دی اور کہا:

"اگر تم نے ہتھیار نہ ڈالے تو میں شہزادے کو ہلاک کر ڈالوں گا۔"

اس سپاہی نے اندھیرے میں بھی شہزادے کو پہچان لیا تھا۔ عنبر بے بس ہو گیا۔ شہزادے کی جان بچانا بہت ضروری تھا۔ اس نے تلوار پھینک دی۔ سپاہی نے چلا کر اپنے ساتھیوں کو آواز دی۔ ایک سیکنڈ میں وہاں تیمور کی فوج کا پورا دستہ آ گیا۔ شہزادے اور عنبر کو گرفتار کر لیا گیا۔

دوسرے روز امیر تیمور کو جب معلوم ہوا کہ شہزادہ شاہ عالم گرفتار ہو گیا ہے تو اس نے خوش ہو کر رات کی ڈیوٹی دینے والے سپاہیوں کو انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا اور خود قید خانے میں شہزادے کو دیکھنے آیا۔ شہزادہ شاہ عالم اور عنبر تہ خانے میں پڑے تھے۔ امیر تیمور کے ساتھ باڈی گارڈوں کا دستہ تھا۔ اس نے جنگی لباس پہن رکھا تھا اور ہاتھ میں ننگی تلوار تھی۔ شکل سے ہی وہ ایک ظالم اور سنگ دل بادشاہ لگتا تھا۔ اس کے چہرے پر ایک لمبا زخم کا نشان تھا۔ وہ ہزاروں لوگوں کو قتل کر چکا تھا اور شہزادہ شاہ عالم کے بڑے بھائی کی آنکھیں امیر تیمور نے خود اپنے خنجر سے نکالی تھیں۔

امیر تیمور نے شہزادے عالم کو نفرت سے دیکھا اور تلوار کی نوک اس کی گردن پر رکھ کر بولا:

"میری تلوار کو تمہاری گردن کی ایک مدت سے تلاش تھی۔"

پھر اس نے عنبر کی طرف دیکھ کر کہا:

"یہ کون ہے؟"

وزیر نے بتایا کہ یہ شہزادے کا دوست ہے۔

امیر تیمور نے تلوار اٹھا کر کہا:

"یہ بھی میرا دشمن ہے۔ اسے بھی شہزادے کے ساتھ ہی قتل کر دیا جائے گا۔"

پھر وہ شہزادے کے قریب آ کر بولا:

"لیکن اس سے پہلے تمہیں تمہاری والدہ اور بہنوں کے پاس پہنچایا جائے گا تاکہ تم ان سے پوچھ سکو کہ تمہارے باپ دادا کا خزانہ محل میں کس جگہ دفن ہے۔ اگر تم یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہو گئے تو ہم تمہاری جان بخشی کر دیں گے۔"

اس نے حکم دیا کہ شہزادے عالم کو اس کی والدہ کے تہ خانے میں پہنچا دیا جائے۔ سپاہی شہزادے کو پکڑ کر لے گئے۔ امیر تیمور بھی اپنے باڈی گارڈ کے ساتھ قید خانے کی کوٹھڑی سے نکل گیا۔ اب وہاں صرف عنبر باقی رہ گیا تھا۔

عنبر سوچنے لگا کہ اس قید خانے میں وہ شہزادے اور اس کی والدہ اور بہن کو کیسے نکال سکے گا۔ معاملہ اور زیادہ اُلجھ گیا تھا۔ پہلے صرف ملکہ اور شہزادی کو وہاں سے نکالنا تھا۔ اب شہزادہ بھی پھنس گیا تھا۔

شہزادے کو دیکھ کر ملکہ زمانی اور شہزادی زیب النساء اس سے لپٹ گئیں۔ دونوں بے حد کمزور ہو گئی تھیں۔ شہزادے کو ان کے پاس اکیلا چھوڑ کر سپاہی واپس چلے گئے۔

شہزادے عالم نے ملکہ کو بتا دیا کہ امیر تیمور نے اسے اس لیے بھیجا ہے کہ وہ ان سے دفن شدہ خزانے کا بھید معلوم کرے۔ ملکہ نے کہا:

"بیٹا! اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ خزانہ کہاں ہے تو ہم کب کا بتا چکے ہوتے۔"

"امی جان میں جانتا ہوں کہ خزانے کا نہ آپ کو کچھ علم ہے اور نہ مجھے۔"

شہزادی نے کہا:

"بھائی جان! آپ نے اپنی جان کیوں خطرے میں ڈالی؟"

شہزادے نے اسے بتایا کہ وہ اپنے غلام یاقوت کے ساتھ ان دونوں کو قید سے فرار کروانے کے لیے آیا تھا کہ

خود پھنس گیا۔ ملکہ کی آنکھوں میں آنسو تھے، کہنے لگی:

"بیٹا! تم نہیں تھے تو کم از کم دل میں ایک تسلی ضرور تھی کہ تم زندہ سلامت ہو۔ ہماری قسمت میں تو موت لکھی ہی جا چکی تھی، لیکن تمہیں یہاں موت کے منہ میں نہیں آنا چاہیے تھا۔"

شہزادے نے کہا:

"امی جان! خدا نے چاہا تو ہم یہاں سے نکل جائیں گے۔"

ملکہ نے کہا:

"بیٹے! امیر تیمور ایک سنگدل بادشاہ ہے۔ وہ ہمیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔ اگر اسے خزانے کا لالچ نہ ہوتا تو ہمیں کب کا قتل کروا چکا ہوتا۔"

شہزادہ بولا:

"امی جان! زندگی اور موت تو صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔"

کہنے کو تو شہزادہ شاہ عالم نے یہ کہہ دیا تھا مگر اندر سے وہ خود پریشان تھا کہ اب کیا ہو گا اور وہاں سے فرار کیسے ہوا جائے گا۔ کنیز گلنار دن میں صرف ایک بار اور وہ بھی شام ہو جانے کے بعد کھانا لے کر آتی تھی۔ کھانا کیا

ہوتا تھا۔ بس ایک پوٹلی میں بھنا ہوا گوشت یا کھچڑی باندھ کر پہرے دار کی مدد سے اندر پھینک دیتی تھی۔ اس روز شام کو گلنار نے تہہ خانے میں کھانے کی پوٹلی پھینکی تو شہزادہ عالم نے اسے سلاخوں کے پاس بُلا کر کہا:

"میرا دوست یاقوت قید میں ہے۔ اس کا خیال رکھنا اور کل آؤ تو اپنے ساتھ ایک خنجر لیتی آنا۔"

گلنار نے کوئی جواب نہ دیا اور وہاں سے فوراً چلی گئی۔ کیوں کہ ایک تیموری سپاہی گشت پر ادھر آ رہا تھا۔ یہ تو مغل فوج کے سپاہی اور پہرے دار تھے جو تھوڑا بہت خیال کر لیتے تھے۔ پھر بھی انہیں ہر وقت موت کا دھڑکا لگا رہتا تھا۔

○

تہہ خانے میں لاشیں

کنیز گلنار نے عنبر کو شہزادے کا پیغام دیا کہ اس نے گلنار کو اس کا خیال رکھنے کے لیے کہا ہے تو عنبر نے اس سے اس قید خانے کا سارا نقشہ معلوم کر لیا جہاں شہزادہ ملکہ اور شہزادی قید تھے۔ گلنار نے عنبر سے پوچھا کہ اس کے لیے بھی کچھ لے آیا کروں؟ تو عنبر نے کہا:

"نہیں۔ شکریہ۔ تم ملکہ اور شہزادے کا ہی خیال رکھو۔"

گلنار چلی گئی۔ عنبر کو ڈر تھا کہ شہزادہ ناسمجھ اور جذباتی ہے۔ کہیں غلطی سے کوئی ایسی ویسی حرکت نہ کر بیٹھے۔ کیوں کہ گلنار نے اسے بتایا کہ شہزادے نے خنجر منگوایا ہے۔ ان لوگوں کا وہاں زیادہ دیر رہنا ٹھیک نہیں تھا۔ امیر تیمور کسی بھی وقت ان تینوں کے قتل کا حکم دے سکتا تھا۔

عنبر نے اسی رات وہاں سے فرار ہونے کا پروگرام بنا لیا۔

شام ہوتے ہی عنبر کی کوٹھڑی کے باہر پہرے دار بدلتا تھا۔ عنبر تاک میں رہا۔ جب نیا پہرے دار آگیا اور پرانا پہرے دار جا چکا تو عنبر نے اشارے سے پہرے دار کو کوٹھڑی کی سلاخوں کے پاس بلایا اور کہا:

"میرے پیٹ میں شدید درد کا دورہ اٹھا ہے مجھے حکیم کے پاس لے چلو۔"

پہرے دار تیموری فوج کا سپاہی تھا۔ اس نے قہقہہ لگا کر کہا:

"ہم نے تمہیں مرنے کے لیے یہاں ڈالا ہوا ہے جتنی جلدی مر جاؤ اتنا ہی تمہارے حق میں اچھا ہے۔"

عنبر کو بڑا غصہ آیا۔ دل میں کہنے لگا کہ بیٹا ذرا ٹھہرو۔ ابھی دیکھتا ہوں کہ کون پہلے مرتا ہے۔ اس نے پیٹ پر ہاتھ رکھ کر کہا:

"صرف ایک بار مجھے حکیم کے پاس لے چلو بہت ظالم درد ہو رہا ہے۔"

اور عنبر یونہی جھوٹ موٹ ہائے ہائے کرنے لگا۔

تیموری پہرے دار نیزہ لے کر سلاخوں کے پاس آگیا اور غراتے ہوئے بولا:

"بکواس بند کرو سُور کی اولاد!"

اس سے زیادہ عنبر کی بے عزتی نہیں کی جا سکتی تھی۔ غصے سے اس کا رنگ لال ہو گیا اور اس کی آنکھوں میں شعلے چمکنے لگے۔ وہ سلاخوں کے پاس آیا اور ایک ہی جھٹکے سے اس نے لوہے کی بڑی بڑی سلاخوں کو اکھیڑ کر پرے پھینک دیا۔ پہرے دار تو ہکا بکا سا ہو کر اسے تکنے لگا۔ عنبر جب پہرے دار کی طرف بڑھا تو اس نے نیزہ تان کر پوری طاقت سے عنبر کے سینے پر مارا۔ سینے پر لگتے ہی نیزہ دوہرا ہو گیا۔ اور نیچے گر پڑا۔ پہرے دار سوچ ہی رہا تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے کہ عنبر نے دونوں ہاتھوں میں اس کا سر لے کر اوپر کو ایک ایسا جھٹکا دیا کہ پہرے دار کی گردن ٹوٹ گئی۔ عنبر نے اسے چھوڑ دیا۔ پہرے دار مر چکا تھا۔ وہ دھڑام سے فرش پر گر پڑا۔

عنبر نے تیزی کے ساتھ اس کا لباس پہن لیا اور نیزہ تھام کر سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آگیا۔ گلنار نے اسے اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ شہزادہ اور ملکہ وغیرہ کہاں قید ہیں۔ عنبر راہ داری میں آیا تو وہاں دو سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ راہ داری میں روشنی زیادہ نہیں تھی۔ اس نے سر جھکا لیا اور گذر گیا۔ چونکہ اس نے رات کو پہرہ دینے والے

تیموری سپاہیوں کی وردی پہنی ہوئی تھی اس لیے کسی نے اس پر شک نہ کیا۔

عنبر کے سامنے سیڑھیاں نیچے اتر رہی تھیں۔ ان سیڑھیوں کے نیچے جا کر وہ کوٹھڑی تھی جہاں ملکہ اور شہزادہ اور اس کی بہن قید تھے۔ عنبر جلدی جلدی سیڑھیاں اُتر گیا۔ کوٹھڑی کے باہر تین ہٹے کٹے سپاہی تلواریں ہاتھوں میں لیے بڑی ہوشیاری سے پہرہ دے رہے تھے۔ یہ بڑے خاص قسم کے پہرے دار تھے اور امیر تیمور نے اپنے خاص حکم سے انہیں وہاں لگایا تھا۔ انہوں نے جو ایک پہرے دار سپاہی کو اپنی طرف آتے دیکھا تو ان میں سے ایک سپاہی بولا:

"تم ادھر کدھر آ رہے ہو؟ تمہاری پہرہ دینے کی باری کہاں ہے آج رات؟"

عنبر نے قریب آ کر کہا:

"امیر تیمور تشریف لا رہے ہیں۔"

اتنا سننا تھا کہ تینوں پہرے دار کچھ گھبرا گئے اور انہوں نے جلدی سے کوٹھڑی کے تالے کو دیکھا کہ لگا ہوا ہے کہ نہیں، سلاخوں میں سے اندر جھانکنے لگے کہ شاہی قیدی موجود ہیں۔ عنبر نے اسی لمحے حملہ کر دیا اور دو سپاہیوں کو پہلے ہی وار میں مار ڈالا۔ تیسرے نے تلوار کا وار کیا اور

چیخ مار کر مدد کے لیے لوگوں کو بلانے ہی والا تھا کہ عنبر نے اس کی تلوار چھین کر اسی کے دل میں اتار دی

اس خونی منظر کو شہزادہ، عالم، ملکہ اور شہزادہ زیب النساء حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ وہ سمجھ گئے کہ یہ کوئی ان کا وفادار سپاہی ہے۔ عنبر جب قید خانے کا سلاخ دار دروازہ کھولنے لگا تو شہزادے نے اسے پہچان لیا۔

"یاقوت — یہ تم ہو؟"

"ہاں شہزادہ صاحب۔"

اس نے اندر آ کر تینوں سپاہیوں کی لاشوں کو کوٹھڑی میں گھسیٹ لیا اور ان کی وردیاں اتار کر شہزادہ، ملکہ اور شہزادی زیب النساء کو پہنا دیں اور سروں پر لوہے کے خود رکھ دیئے۔ دُور سے دیکھنے پر وہ تینوں تیموری فوج کے سپاہی لگتے تھے۔ عنبر نے انہیں ساتھ لیا اور کوٹھڑی کی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر راہ داری میں آ گیا۔ عنبر نے انہیں پیچھے رُکنے کا اشارہ کیا اور آگے جھانک کر راہ داری میں دیکھا۔ راہ داری بالکل خالی تھی۔ آ جائیں۔"

عنبر نے آہستہ سے کہا اور تینوں کو لے کر راہ داری سے نکل گیا۔ یہاں سے شہزادہ عالم نے اس کی راہ نمائی کی کیونکہ اس کو محل کے تمام خفیہ راستوں کا علم تھا۔ راہ داری کے

کونے پر ایک تنگ سا راستہ گھومتا تھا۔ یہاں بھی ایک سپاہی پہرہ دے رہا تھا۔ اس نے جو چار سپاہیوں کو اپنی طرف آتے دیکھا تو چوکس ہو گیا کہ خدا جانے کیا بات ہو گئی ہے۔

عنبر نے آگے بڑھ کر کہا:

"ظل سبحانی امیر تیمور آ رہے ہیں"

وہ سپاہی گھبرا گیا۔ عنبر نے اس کی گردن پر ہاتھ رکھ کر اسے زور سے ایک چکر دیا۔ وہ سامنے والی دیوار سے ٹکرایا اور بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ شہزادہ بولا:

"جلدی سے ادھر آ جاؤ"

وہ چاروں ایک طرف گھوم گئے۔ آگے سیڑھیاں نیچے اترتی تھیں۔ یہ بڑی تنگ و تاریک سیڑھیاں تھیں۔ یہاں سے ایک تاریک سرنگ شروع ہو جاتی تھی۔ وہ اس سرنگ میں داخل ہو گئے۔

شہزادے نے عنبر سے کہا:

"یہ سرنگ ہمیں دریائے جمنا کے کنارے ایک جنگل میں لے جائے گی"

عنبر نے کہا:

"ہم آتی دفعہ ادھر سے کیوں نہ آ گئے"؟

شہزادہ بولا:

"عبداللہ کے گھر سے یہ جگہ بہت دور تھی اور پھر اس سرنگ کا دروازہ اندر سے بند رہتا ہے۔ میں نے سوچا کہ ہم اس دروازے کو باہر سے داخل ہوتے وقت نہ کھول سکیں گے"

عنبر دل میں ہنس دیا۔ بھلا شہزادے کو کیا معلوم تھا کہ وہ باہر سے بھی بند دروازے کو اکھاڑ کر پھینک سکتا تھا۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ ملکہ اور شہزادی سپاہیوں کے لباس میں تھیں۔ ملکہ نے کہا:

"بیٹا! ہم کب تک اس فوجی وردی میں رہیں گے؟"

شہزادہ بولا:

"امی حضور! جب تک ہم اس قلعے سے باہر نہیں نکل جاتے ذرا صبر کیجیے گا۔ ہماری اس میں بھلائی ہے"

سرنگ کافی لمبی تھی اور زمین ذرا گیلی اور نرم تھی کافی دیر تک، اور کافی دور تک، چلنے کے بعد سرنگ کا دریا کنارے والا دروازہ آ گیا۔

شہزادے نے کہا:

"اب اس دروازے کو کھولنے کا مرحلہ باقی ہے"

دروازے پر لوہے کا بہت بڑا تالا لگا تھا۔

شہزادے نے کہا:

"یہ تلوار کی چوٹ سے نہیں ٹوٹ سکتا۔ میرا خیال ہے ہمیں اس پر یہاں سے اینٹ پتھر ڈھونڈ کر مارنے ہوں گے۔"

عنبر نے کہا:

"میرا خیال ہے۔ میں اسے کھولنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

شہزادے نے کہا:

"تم اتنے بڑے تالے کو کیسے کھول لو گے؟"

عنبر بولا:

"میں نے ایک مشہور چور سے کبھی یہ گر سیکھا تھا۔ تم لوگ پیچھے ہٹ جاؤ۔"

سرنگ میں ہلکا ہلکا اندھیرا تھا۔ عنبر نے تالے کو ہاتھ میں لے کر جانچا۔ پھر اسے غور سے دیکھا اور کہا:

"کچھ نیا ہے تالا۔ کبھی ایسا تالا کھولنے کا پہلے اتفاق نہیں ہوا مگر کوشش کرتا ہوں۔"

یہ عنبر یونہی جان کر کر رہا تھا۔ ورنہ تالا ایک سیکنڈ میں دو ٹکڑے ہو سکتا تھا۔ عنبر نے دو تین بار جھوٹ موٹ زور لگایا۔ اور پھر ایک ہلکے سے جھٹکے کے ساتھ تالے کو کھول دیا۔

شہزادے ملکہ اور شہزادی نے عنبر کی تعریف کی۔

عنبر نے پوچھا:

"دروازہ کھول دوں شہزادے؟"

شہزادہ خود آگے آگیا اور اس نے دروازہ کھول کر باہر دیکھا۔ دروازے کے کھلتے ہی تازہ ہوا کا جھونکا اندر آیا جس میں دریا کے ٹھنڈے پانی اور اس کے کنارے اُگے ہوئے لمبے گھاس کی خوشبو بھی تھی۔

"کوئی نہیں یہاں چلے آئیں۔"

سب سے پہلے شہزادہ باہر نکلا۔ پھر ملکہ شہزادی اور سب سے آخر میں عنبر سرنگ سے باہر نکل آیا۔ وہ دریا کنارے جھاڑیوں کے درمیان سے ہو کر ایک طرف روانہ ہو گئے۔

ملکہ سلامت نے پوچھا:

"کیا اب ہم وردیاں اتار دیں بیٹا؟"

شہزادے نے کہا:

"نہیں امی جان۔ ابھی نہیں۔"

شہزادی نے کہا:

"بھائی جان ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

شہزادہ بولا:

"عبد اللہ باغبان کے گھر۔ شہر کی فصیل کے پاس اس کا گھر ہے۔ وہاں سے ہم شہر سے فرار ہونے کی کوشش کریں گے۔"

عنبر نے کہا:

"شہزادہ حضور ایک بار پھر غور کر لیں۔ کیا وہاں جانا خطرناک بات تو نہیں ہوگی؟"

"نہیں یاقوت۔ عبداللہ ہمارا وفادار ساتھی ہے۔"

ملکہ نے کہا:

"ہمیں پھر بھی سوچ سمجھ کر کوئی قدم اٹھانا ہوگا کیونکہ اس وقت کسی کا کوئی بھروسہ نہیں۔"

شہزادے نے کہا:

"نہیں امی جان۔ عبداللہ نمک حلال ہے وہ ہمارا دوست ہے اور کبھی تیموری فوج کو خبر نہیں کرے گا۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔" ملکہ نے آہستہ سے کہا:

ملکہ اور شہزادی نے دریا کنارے ایک جگہ بیٹھ کر پانی پیا۔ منہ ہاتھ دھویا۔ شہزادے اور عنبر نے بھی منہ پر پانی کے چھینٹے مارے۔ رات کا آخری پہر تھا۔ صبح کی اذان کا وقت ہو رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد جب یہ لوگ دریا کنارے پھر چلنے

لگے تو قلعے کی اور شہر کی مسجدوں کی طرف سے فجر کی اذان کی آوازیں آنے لگیں۔ عبداللہ کا گھر اب زیادہ دور نہیں تھا شہر کی فصیل کا اندر کا علاقہ شروع ہو گیا تھا۔ یہاں دریا کا آدھا حصہ شہر کی فصیل کے اندر آ گیا تھا۔ پھر دُور سے نیم کے وہ درخت نظر آئے جن کے سائے میں عبداللہ باغبان کا گھر تھا۔ اس کے گھر کی ڈیوڑھی کا دروازہ بند تھا۔ شہزادے نے دروازے پر دستک دی۔ اس کی بیٹی بانو نے پوچھا:

"کون ہے باہر؟"

شہزادے نے کہا:

"میں ملکہ سلامت اور شہزادی زیب۔"

تھوڑی دیر بعد عبداللہ نے دروازہ کھول دیا۔ اس کی بیٹی بانو بھی اس کے ساتھ کھڑی تھی۔ انہوں نے جو اپنے سامنے ملکہ سلامت اور شہزادی زیب النساء کو دیکھا تو جھک کر تعظیم بجا لائے۔ ملکہ اور شہزادی نے عبداللہ کے مکان کے قریب آ کر سپاہیوں کی وردیاں اتار کر پھینک دی تھیں۔ عبداللہ یہ کہتا ہوا ملکہ اور شہزادی زیب النساء کو اندر لے گیا۔

"ملکہ عالم! یہ میری خوش بختی ہے کہ آپ ہمارے غریب خانے پہ تشریف لائے۔"

اس نے اور اس کی بیٹی نے ملکہ اور شہزادی کو الگ کوٹھڑی میں نئے بچھونے بچھا دیئے۔ کھانے کو سادہ سی روٹی جو پکی ہوئی تھی دی۔ انہوں نے کھانا کھایا اور وہ سو گئیں۔ عبداللہ شہزادے اور عنبر کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ وہ پریشان تھا کہ کہیں اس کے مکان پر سپاہی چھاپہ نہ ماردیں کیوں کہ اس کے گھر میں اس وقت ملکہ کے ساتھ ساتھ شہزادی اور شہزادہ عالم بھی موجود تھا۔ عبداللہ کی پریشانی نامناسب نہیں تھی۔ مگر زبان سے وہ یہی کہہ رہا تھا کہ وہ خود مر جائے گا مگر شاہی خاندان کی مرتے دم تک حفاظت کرے گا۔ اس کے باوجود عنبر اور شہزادے کو احساس تھا کہ انہیں عبداللہ کے ہاں زیادہ دیر نہیں رہنا چاہیے۔ شہزادے نے عبداللہ سے کہا:

"ہم کل رات یہاں سے نکل جائیں گے بابا۔"

عبداللہ نے کہا:

"لیکن بیٹا کل تو شہر کے دروازوں پر زبردست پہرہ ہوگا۔ کیونکہ دن نکلتے ہی قلعے میں پتہ چل جائے گا کہ ملکہ شہزادی اور شہزادہ فرار ہوگئے ہیں۔"

عبداللہ نے بڑے پتے کی بات کی تھی۔ اس کے بارے میں شہزادے نے سوچا ہی نہیں تھا۔ اس نے عنبر کی طرف دیکھا۔

عنبر نے کہا:

"عبداللہ ٹھیک کہتا ہے شہزادہ صاحب! ہمیں اسی وقت نکلنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ابھی دن پوری طرح نہیں نکلا۔"

شہزادے نے کہا:

"لیکن ملکہ اور شہزادی نے تو سپاہیوں کا لباس بھی نہیں پہنا ہوا۔ وہ شہر کے دروازے پر پہچان لی جائیں گی۔"

ابھی یہ لوگ باتیں ہی کر رہے تھے کہ باہر سے گھوڑوں کے تیز تیز دوڑنے کی آواز آئی۔ عبداللہ گھبرا کر مکان کی ڈیوڑھی میں گیا اور پھر اس سے بھی زیادہ گھبرایا ہوا واپس آیا اور کہنے لگا:

"امیر تیمور کی فوج حرکت میں آگئی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ تیمور کو شاہی قیدیوں کے فرار کا علم ہو گیا ہے۔"

شہزادہ پریشان ہوگیا:

"کیا تمہارے گھر میں کوئی تہہ خانہ ہے بابا؟"

عبداللہ نے کہا:

"نہیں شہزادے۔ لیکن اگر تہہ خانہ ہوتا بھی تو تیموری فوج کے سپاہی اسے تہس نہس کر دیتے۔ یہ بڑے جابر قسم کے سپاہی ہیں مکانوں کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتے ہیں۔"

یکایک عنبر کو ایک خیال آیا۔ اس نے کہا:

"کیوں نہ ہم سرنگ کے نیچے پانی میں جا کر چھپ جائیں؟"

عبداللہ نے کہا:

"اچھا خیال ہے مگر ملکہ اور شہزادی ٹھنڈے سرد پانی میں کب تک چھپی رہ سکیں گی۔"

اتنے میں باہر سے کسی نے زور سے دروازہ دھڑ دھڑایا۔ عبداللہ نے گھبرا کر کہا:

"جلدی سے تہہ خانے میں جا کر چھپ جائیں۔"

عنبر اور شہزادہ اندر کو بھاگے۔ عبداللہ کی بیٹی نے ملکہ، شہزادی اور شہزادے اور عنبر کو تہہ خانے میں لے جا کر چھپا دیا۔ عبداللہ نے دروازہ کھولا۔ تیموری لشکر کے چار سپاہی کوڑے ہاتھوں میں لیے اندر آ گئے اور کچھ کہے بغیر ڈیوڑھی سے گزر کر کوٹھڑی میں دیکھنے لگے۔ انہوں نے بڑی خاموشی

سے سارے مکان کی تلاشی لی۔ ایک لشکری سپاہی نے عبداللہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا:

"تمہیں شاہی قیدیوں کے بارے میں کچھ معلوم ہے جو فرار ہو گئے ہیں؟"

عبداللہ کہنے لگا:

"حضور! میں شاہی قلعے کا معمولی باغبان ہوں بھلا مجھے کیا خبر ہو سکتی ہے شاہی قیدیوں کی ——— اور پھر آپ نے خود سارے مکان کی تلاشی لی ہے۔ یہاں سوائے میرے اور میری بیٹی کے اور کوئی نہیں ہے۔"

ایک سپاہی نے زمین پر غور سے دیکھتے ہوئے کہا:

"گھر میں تم صرف دو آدمی ہو مگر زمین پر کتنے ہی آدمیوں کے پاؤں کے نشان ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟"

عبداللہ کا رنگ اڑ گیا۔ دو سپاہیوں نے عبداللہ کے بازو پکڑ لیے۔ تیسرے سپاہی نے زور سے کوڑا مارا۔ عبداللہ کی چیخ نکل گئی۔ اس کی بیٹی بانو چیخ مار کر اپنے باپ سے لپٹ گئی۔ سپاہیوں نے اسے بھی کوڑے مارنے شروع کر دیے۔ بیٹی کو کوڑے کھاتے دیکھ کر عبداللہ نے ہاتھ اٹھا کر کہا:

"پیچھے تہہ خانے میں۔ تہہ خانے میں۔"

اور وہ اپنی بے ہوش بیٹی کا سر زانو پر رکھ کر آنسو بہانے لگا۔

سپاہی بڑی تیزی سے تہہ خانے کی طرف لپکے۔ پچھلی کوٹھڑی میں انہیں فرش ایک جگہ سے اکھڑا اکھڑا سا نظر آیا۔ انہوں نے وہاں سے پتھر اوپر اٹھایا تو نیچے لکڑی کی چھوٹی سی سیڑھی جا رہی تھی۔

سپاہی نے منہ ڈال کر آواز دی:

"اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دو۔ تمہارا راز فاش ہو چکا ہے۔ تم بچ نہیں سکتے اب۔"

ملکہ اور شہزادی سہم گئیں۔

شہزادے نے تلوار کھینچ لی۔

"یہ لوگ میری لاش پر سے گذر کر میری بہن اور ماں کو گرفتار کریں گے۔"

اوپر سے سپاہی نے پھر آواز دی:

"اوپر آ جاؤ۔ تم تیموری فوج کے گھیرے میں آ چکے ہو۔"

عنبر نے شہزادے کو پیچھے ہٹاتے ہوئے کہا:

"مجھے اوپر جانے دو۔ ہٹ جاؤ پیچھے۔"

عنبر نے شہزادے کو پیچھے ہٹا دیا اور اوپر منہ کر کے بولا:

"ہم آ رہے ہیں۔"

عنبر بڑے سکون کے ساتھ تہہ خانے کی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آ گیا۔ اس کے سامنے تیموری لشکر کے چار جلاد قسم کے سپاہی کھڑے اسے خون آلود نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں کوڑے تھے اور کمر کے ساتھ تلواریں لٹک رہی تھیں سروں پر لوہے کے خود تھے۔

سپاہی نے پوچھا:

"شاہی قیدی کہاں ہیں۔ ملکہ اور شہزادہ شہزادی کہاں ہیں؟"

عنبر نے کہا:

"وہ یہاں نہیں ہیں۔"

اور اس کے ساتھ ہی عنبر نے پتھر کا ٹکڑا تہہ خانے کے منہ کے اوپر گرا دیا۔ سپاہیوں نے عنبر کو گردن سے پکڑ کر نیچے گرایا اور تلواریں نکال کر اسے ہلاک کرنے کی غرض سے بازو اوپر اٹھائے ہی تھے کہ عنبر نے اپنے اوپر بیٹھے ہوئے دونوں سپاہیوں کو جھٹکا دے کر اتنی زور سے اوپر کو اچھالا کہ ان کے سر چھت سے جا ٹکرائے۔ نیچے گرے تو بے ہوش ہو چکے تھے۔ باقی دو سپاہیوں نے تلواریں نکال کر عنبر پر وار کرنے شروع کر دیئے۔ عبداللہ اور اس کی بیٹی جس کو اب ہوش آ چکا تھا دہشت بھری آنکھوں سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔

یہ دیکھ کر ان کی حیرانی کی کوئی انتہا نہیں رہی تھی کہ سپاہی عنبر پر بڑے زور زور سے تلوار کے ہاتھ چلا رہے تھے۔ تلواریں عنبر کے جسم سے برابر ٹکرا رہی تھیں مگر اس کے جسم پر ذرا سا بھی زخم نہیں آ رہا تھا۔ تیموری سپاہی بھی پریشان تھے کہ وہ کسی انسان پر تلوار کے وار کر رہے ہیں کہ کسی پتھر کے بُت پر۔۔؟

لیکن عنبر نے انہیں زیادہ دیر حیران رہنے کا موقع نہ دیا۔ وہ اپنے اوپر برستی تلواروں میں فرش پر سے اٹھا اور دونوں سپاہیوں کی تلواروں کو پکڑ کر انہیں توڑ کر پھینک دیا۔ سپاہیوں نے خنجر نکال لیے۔

عنبر نے کہا:

"جہاں تمہاری تلواریں کچھ نہیں کر سکیں وہاں یہ خنجر کیا کر لیں گے؟ اب ایسا کرو کہ بڑی خاموشی سے مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

سپاہیوں نے نعرہ لگا کر عنبر پر خنجروں سے حملہ کر دیا۔ عنبر نے بڑے آرام سے ان باقی بچے ہوئے دو سپاہیوں کو گردن سے پکڑ کر نیچے جھکایا اور ان کی گردنوں پر بڑی زور سے دو ہاتھ کچھ اس طرح مارے کہ ان کی گردنیں نیچے ڈھلک گئیں۔ ان کے منکے ٹوٹ چکے تھے اور وہ بھی اگلے جہان

کی سیر کر رہے تھے۔ عبداللہ اور اس کی بیٹی بانو حیران پریشان کھڑے تھے کہ یہ کوئی آدمی ہے کہ جن۔

عنبر نے عبداللہ سے کہا:

"مجھے حیرانی سے دیکھنے کی بجائے تہہ خانے کی سِل اُٹھا کر ملکہ شہزادی اور شہزادے کو باہر نکالو اور ان سپاہیوں کی لاشوں کو تہہ خانے میں ڈال دو۔ آدھی رات کو انہیں باہر نکال کر نہر میں پھینک دیں گے۔"

عبداللہ اور بانو نے بھاگ کر جلدی سے تہہ خانے کی سِل اٹھا کر شاہی قیدیوں کو باہر نکالا۔ وہ بھی سپاہیوں کی لاشیں دیکھ کر حیران رہ گئے۔

عنبر نے کہا:

"ان لاشوں کی وردیاں اتار کر پہن لیں۔"

اسی وقت سپاہیوں کی وردیاں اتار کر ایک بار پھر ملکہ، شہزادی اور شہزادے کو پہنائی گئیں۔ عنبر نے بھی سپاہی کی وردی پہن لی اور سپاہیوں کی لاشوں کو تہہ خانے میں پھینک دیا۔

شہزادے نے پوچھا:

"کیا ہم اس وقت شہر سے باہر نکلیں گے؟"

"ہاں۔" عنبر نے کہا: "اگر اس وقت یہاں سے نہ نکلے

تو پھر آپ لوگوں کی زندگیوں کی میں ذمے داری نہیں لے سکتا۔"

شہزادے کو اور ملکہ وغیرہ کو بھی کچھ شک ہو گیا تھا کہ عنبر میں معمولی طاقت موجود ہے جس کے بارے میں وہ راز داری سے کام لے رہا ہے۔ وہ شہر سے فرار ہونے پر راضی ہو گئے۔

عنبر نے انہیں ساتھ لیا۔

عبداللہ سے کہا:

"فکر نہ کرو بابا۔ میں واپس آ کر ان سپاہیوں کی لاشوں کو نہر میں پھینک دوں گا۔"

وہ چاروں گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور شہر کے دروازے کی طرف چل پڑے۔ شہر میں ہر طرف سپاہی گشت لگا رہے تھے اور لوگوں کو روک کر ان سے ملکہ اور شہزادی کے بارے میں پوچھ گچھ کر رہے تھے۔ عنبر، شہزادی، ملکہ اور شہزادی چونکہ سپاہیوں کی وردیوں میں تھے اس لیے ان پر کسی نے شک نہ کیا اور وہ گھوڑوں کو بڑھاتے شہر کے دروازے کے پاس آ گئے۔

عنبر نے کہا:

"میں آگے آگے ہوں۔ آپ لوگ میرے پیچھے پیچھے رہیں اور ایک لمحے کے لیے بھی نہ رکیں۔"

عنبر دروازے کی ڈیوڑھی میں داخل ہو گیا۔ پہرے دار نے

اسے روک کر پوچھا:

"تم کہاں جا رہے ہو؟ اور یہ کون ہیں؟"

عنبر نے ذرا رعب دار آواز میں کہا:

"تم کون ہوتے ہو مجھ سے یہ پوچھنے والے کہ میں کون ہوں اور کہاں جا رہا ہوں اور یہ کون ہیں۔ کیا تم نہیں دیکھ رہے کہ ہم تیموری فوج کے خاص دستے کے سپاہی ہیں اور شاہی قیدیوں کی تلاش میں شہر سے باہر جا رہے ہیں۔"

"معاف کیجیے گا حضور! مجھ سے بھول ہو گئی۔"

عنبر نے گرج کر کہا:

"اگر پھر بھول ہوئی تو تمہاری گردن اڑا دی جائے گی۔ سمجھے؟"

"سمجھ گیا حضور! سمجھ گیا!"

پہرے دار نے کہا اور جھٹ آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ وہ چاروں شہر کے دروازے میں سے نکل کر باہر آ گئے۔

شہزادے نے گھوڑا عنبر کے قریب لاتے ہوئے کہا:

"یاقوت! تم نے کمال کر دیا۔ ایک بات بتاؤ گے؟"

"کیا۔ پوچھو!" عنبر نے کہا۔

وہ گھوڑے دوڑاتے شہر سے باہر کھیتوں میں جا رہے تھے۔

"شہزادے نے کہا:

"تم اصل میں کون ہو؟ کیوں کہ یہ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ تم یاقوت نام کے کوئی معمولی غلام نہیں ہو۔"

عنبر مسکرایا:

"نہیں صاحب! میں تو ایک عام غلام ہوں۔ مجھ میں کوئی خاص بات نہیں ہے۔"

شہزادی گھوڑا دوڑاتی آگے آئی اور بولی:

"میرا خیال ہے کہ ہمیں دریائے چمبل عبور کر کے جنوب میں کرناٹک کی طرف نکل جانا چاہیے مرہٹہ سردار ہماری مدد کرے گا۔"

عنبر نے کہا:

"میں تمہیں دہلی سلطنت کی سرحد عبور کروا دوں گا کیونکہ مجھے واپس جا کر عبداللہ کے گھر سے لاشوں کو بھی ٹھکانے لگانا ہے۔ نہیں تو اگر وہاں چھاپہ پڑ گیا تو عبداللہ اور اس کی بیٹی پر قیامت ٹوٹ پڑے گی۔"

"ٹھیک ہے یاقوت" شہزادہ بولا: "تم ہمیں دلی کی سرحد عبور کروا کر بے شک واپس چلے جانا میں تمہارا ساری زندگی احسان نہیں فراموش کر سکوں گا۔"

"کیسی باتیں کرتے ہیں آپ؟ میں نے جو کچھ کیا اپنا

فرض سمجھ کر ادا کیا ہے۔"

اچانک شہزادی نے ایک طرف اشارہ کیا۔ بائیں جانب سے کچھ گھوڑ سوار شہر کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اتفاق سے وہ عنبر وغیرہ کے قریب سے گذرنے لگے تو ان کے ایک سردار نے پوچھا:

"کیا شاہ ہند امیر تیمور اپنے محل میں ہی ہیں؟"

عنبر نے کہا:

"ہاں سردار — وہ اپنے محل ہی میں ہیں"

"تم لوگ ادھر جنگل میں کیا کرنے جا رہے ہو؟"

عنبر نے جھٹ جواب دیا:

"ہم ایک خفیہ شاہی مہم پر جا رہے ہیں۔"

سپاہی محل کی طرف آگے بڑھ گئے۔

شہزادے نے کہا:

"تم نے بڑی عقل مندی سے کام لے کر آئی بلا ٹال دی یاقوت!"

عنبر نے کہا:

"ہمیں رفتار تیز کر دینی چاہیے۔"

اور وہ گھوڑوں کو تیز چلانے لگے۔ دہلی کی سرحد ختم ہو گئی تو عنبر نے شہزادے ملکہ اور شہزادی سے کہا:

"مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کی اتنی ہی مدد کر سکتا تھا۔ تخت واپس دلانا خدا کے ہاتھ میں ہے۔ میرے لیے اتنی تسلی ہی کافی ہے کہ آپ زندہ سلامت ہیں اور تخت حاصل کرنے اور ظالم کو اس کے ظلم کی سزا دینے کے لیے زندہ ہیں۔"

شہزادی کی ماں نے کہا:

"بیٹا! مرہٹہ سردار ہماری ضرور مدد کریں گے۔ ہم ان کی مدد سے اپنا کھویا ہوا تخت پھر سے واپس لے لیں گے۔ ہم تمہارا شکریہ ادا کرتے ہیں۔"

عنبر نے کہا:

"ملکہ سلامت! مجھے شرمندہ نہ کریں۔ میں نے اپنا انسانی فرض ادا کیا ہے۔"

شہزادہ اور عنبر گلے ملے۔ ملکہ اور شہزادی کو لے کر شہزادہ شاہ عالم کرناٹک کے صوبے کی طرف روانہ ہو گیا اور عنبر گھوڑے پر سوار واپس شہر کی طرف چل پڑا۔ آتے جاتے میں دن ڈوب گیا اور شام کے اندھیرے پھیلنا شروع ہو گئے۔ عنبر چونکہ سپاہی کی وردی میں تھا اس لیے اس کو کسی نے شہر میں داخل ہونے سے نہ روکا۔ وہ سیدھا عبداللہ باغبان کے گھر آیا۔ عبداللہ اور اس کی بیٹی تہہ خانے کی لاشوں کی وجہ سے

بہت پریشان تھے۔ عنبر کو دیکھ کر ان کی جان میں جان آ گئی۔

عنبر نے کہا:

"بابا! میں جانتا ہوں آپ لوگ پریشان ہوں گے لیکن میں آ گیا ہوں۔ اندھیرا ہوتے ہی میں لاشوں کو ٹھکانے لگا دوں گا۔"

عبداللہ کی بیٹی نے کہا:

"بھائی جان آپ کھانا کھا لیں جب تک۔"

عنبر کے منہ سے نکل گیا:

"ہم کھانا نہیں کھایا کرتے۔"

پھر فوراً ہی سنبھل گیا اور اسے احساس ہو گیا کہ اس نے ایک ایسی بات کہہ دی ہے جو اسے نہیں کہنی چاہیے تھی مگر اب وہ کہہ چکا تھا اور عبداللہ اور اس کی بیٹی کو پہلے ہی شک پڑ چکا تھا کہ یہ شخص جو اپنے آپ کو یاقوت نام کا ایک معمولی غلام ظاہر کر رہا ہے اصل میں کچھ اور ہے اور اس کے پاس جادو کی کوئی بہت بڑی طاقت ہے۔ عنبر نے جلدی سے کہا:

"میرا مطلب تھا کہ مجھے بھوک نہیں ہے اس وقت۔"

عبداللہ نے عنبر کا ہاتھ تھام لیا اور کہا:

"بیٹا! کیا تم مجھے بھی نہیں بتاؤ گے کہ تم اصل میں کون ہو؟"

عنبر ہنس دیا کہنے لگا:

"آپ کو خوامخواہ مجھ پر شک ہو رہا ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ مجھے کچھ ایسا جادو آتا ہے جس کی وجہ سے میں ایسے کام آسانی سے کر لیتا ہوں جو دوسرے آدمی نہیں کر سکتے۔"

عبداللہ نے عنبر کے دلی راز کو اگلوانے کی بہت کوشش کی مگر عنبر اتنا بے وقوف نہیں تھا۔ آخر پانچ ہزار سال سے بھی زیادہ عرصے سے وہ سفر کر رہا ہے۔ دنیا کے تقریباً ہر آدمی سے مل چکا تھا۔ وہ کیسے اپنا آپ عبداللہ پر کھول کر رکھ دیتا۔ جب تک رات کا اندھیرا نہیں پھیل گیا وہ ادھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا۔ پھر جب شہر میں ہر طرف تاریکی نے اپنے خیمے گاڑ دیئے تو وہ تہہ خانے میں گیا اور چاروں لاشوں کو کاندھوں پر لاد کر عبداللہ اور بانو کی حیران نظروں کے سامنے انہیں مکان سے باہر لے جا کر باؤلی کی ندی میں پھینک دیا۔

"یہ لاشیں باؤلی میں آگے جا کر شاہی قلعے میں داخل ہو جائیں گی۔ جہاں کی یہ لاشیں ہیں وہیں پہنچ جائیں گی۔"

عبداللہ نے کہا:

"محل میں ان لاشوں کے پہنچنے سے ایک طوفان مچ جائے گا۔"

عنبر بولا:

"شاہی محلوں میں پہلے کیا کم طوفان مچے ہوتے ہیں؟ اور اس دلی کے لال قلعے نے بہت سے طوفان دیکھے ہیں۔"

بانو نے کہا:

"بھائی جان! کیا آپ مجھے جادو سکھا دیں گے؟"

عنبر نے مسکرا کر کہا:

"بانو بہن! جادو سیکھنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اس میں بڑی محنت اور ریاضت کرنی پڑتی ہے اور بعض اوقات جان کا بھی خطرہ ہوتا ہے۔"

بانو نے کہا:

"اچھا تو پھر آپ صاف صاف کیوں نہیں بتا دیتے کہ آپ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں؟"

عنبر نے کہا:

"ارے بھئی ان باتوں کا میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے اور اگر جواب ہوتا بھی تو میں آپ کو نہ بتاتا کیونکر

یہ باتیں ہر ایک کو بتانے کی نہیں ہوتیں۔ ویسے بھی انسان کو چاہیے کہ اپنے راز کسی کو نہ بتائے۔

"اچھا بھائی جان! آپ کی مرضی۔"

جب رات آدھی سے زیادہ گذر گئی تو عنبر نے عبداللہ او اس کی بیٹی سے اجازت لی اور اپنے سفر پر روانہ ہو گیا۔ ل کچھ معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے اور اس کی اگلی منز کون سی ہے؟

○

آج رات قبر کھولیں گے

خلائی لڑکی کیٹی رانی گھانسی پدم شریمتی کے روپ میں لاہور کے ہوٹل ہلٹن کے شاندار تھری بیڈ روم والے کمرے میں ٹھاٹھ سے رہ رہی تھی۔ ناگ اس کا سیکرٹری بنا ہوا تھا۔ مہارانی جھانسی کی پڑپوتی رانی گھانسی کے روپ میں اس نے ہوٹل کے منیجر سے بیس ہزار روپے قرض لے کر لوگوں میں خیرات بھی کر دیئے تھے کہ لوگ کیا کہیں گے کہ رانی خیرات نہیں کرتی۔ ہوٹل کا منیجر پریشان تھا کہ اگر رانی کی چیک بک شاہی محل سے نہ آئی تو وہ ہوٹل والوں کو بیس ہزار روپے کہاں سے ادا کریگا۔ اس نے ایک روز ڈرتے ڈرتے ناگ سے ذکر بھی کیا تھا۔ اس نے کہا تھا۔

"گھبراؤ نہیں۔ مہارانی جی کی چیک بک دو ایک روز میں شاہی محل سے آ جائے گی۔ اسی وقت تمہارا قرض ادا کر دیا جائے گا۔ بلکہ انعام بھی ملے گا۔"

سات روز گذر گئے۔ رانی گھانسی نے منیجر سے مزید دس

ہزار روپے قرض لے کر غریب لوگوں میں تقسیم کر دیئے۔

ناگ نے کیٹی کو منع بھی کیا کہ خدا کے لیے اتنا قرض نہ لو مگر وہ بولی:

"ان ہوٹل والوں نے لوگوں کی جیبیں کاٹ کر دولت جمع کی ہے۔ ان کے پیسے غریبوں میں خرچ کروانا ہمارا فرض ہے۔"

ناگ نے کہا:

"لگتا ہے تم مجھے قید کراؤ گی۔"

پھر کہنے لگا:

"آج عنبر کو میاں صاحب کی قبر میں رکھے سات روز ہو گئے ہیں۔ ہمیں آج رات بارہ بجے جا کر قبر کھودنی ہے عنبر ضرور انسانی شکل میں آ چکا ہو گا۔"

"ہاں۔ ہم آج رات بارہ بجے قبرستان جائیں گے میں ہوٹل والوں کو فون کر دوں گی کہ بارہ بجے رات ہمارے لیے گاڑی کا انتظام کر دیا جائے۔"

ناگ بولا:

"ارے نہیں بابا! کیوں مصیبت میں ڈالو گی۔ انہیں کیوں بتائیں کہ ہم رات کے بارہ بجے قبرستان جا رہے ہیں۔ ہم ٹیکسی لے کر چلے جائیں گے۔"

کیٹی نے کہا:

"تو پھر اگر ایسا ہے تو میں چٹکی بجا کر کسی بھی مرد کے روپ میں تمہارے ساتھ چلی چلوں گی۔"

ناگ نے کہا:

"ہاں یہ ٹھیک رہے گا۔ تم کون سا مرد بنو گی؟"

کیٹی سوچ کر بولی:

"میرا خیال ہے میں تھانیدار بن جاتی ہوں ایک بار پھر۔ اس طرح سے ہمیں رات کے وقت راستے میں پولیس بھی تنگ نہیں کرے گی۔"

ناگ نے کہا:

"سوچ لو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم تھانے دار ہی بنی رہو اور رانی گھانسی کی شکل میں یا اپنی اصلی شکل میں دوبارہ واپس نہ آ سکو۔"

کیٹی مسکرانے لگی:

"نہیں ناگ بھیا! اب ایسا نہیں ہو گا۔"

جب رات کے بارہ بج گئے تو ناگ اٹھ کر کیٹی کے بیڈ روم میں آ گیا۔ وہ جاگ رہی تھی:

"کیا تم قبرستان چلنے کے لیے تیار ہو کیٹی؟"

"ہاں۔" کیٹی نے اٹھتے ہوئے کہا: "مگر میں سوچ

رہی ہوں کہ کون سی مرد کی شکل اختیار کروں؟"

ناگ بولا:

"تم نے تو کہا تھا کہ میں تھانیدار بن جاؤں گی۔"

"ہاں یاد آگیا۔ میں تھانیدار بنوں گی۔"

کیٹی نے تھانے دار کا خیال دماغ میں رکھ کر چٹکی بجائی تو وہ تھانے دار کی بجائے ڈی آئی جی پولیس بن گئی۔ معلوم ہوا کہ چٹکی ذرا زور سے بج گئی تھی۔

ناگ نے کہا:

"یہ تم نے کیا کر دیا کیٹی۔ تمہیں تھانے دار بننا چاہیے تھا اور تم ڈی آئی جی پولیس بن گئی ہو۔"

کیٹی ہنس کر بولی:

"یہ تو اور بھی اچھا ہے۔ پولیس کے سپاہی تو اب میری شکل دیکھ کر ہی غائب ہو جائیں گے۔"

وہ باتیں کرتے کمرے سے نکل کر سیڑھیاں اترتے لابی میں آئے تو مینجر نے ڈی آئی جی کو پہچان لیا۔ کیٹی لاہور کے ڈی آئی جی کے روپ میں ظاہر ہو گئی تھی اور ڈی آئی جی پولیس کی شکل سے مینجر خوب واقف تھا۔ اس کا نام شیر خان تھا۔ مینجر حیران ہوا کہ یہ ڈی آئی جی صاحب کو اوپر جاتے تو میں نے نہیں دیکھا۔ پھر یہ نیچے کہاں

سے اتر رہے ہیں؟ اور پھر یہ رات کے بارہ بجے ان کے ہوٹل میں کیسے آ گئے؟ کہیں کوئی چھاپہ تو نہیں پڑ گیا۔ مینجر نے آگے بڑھ کے ڈی آئی جی کو سلام کیا اور بڑے ادب سے بولا:

"خان صاحب خیریت تو ہے آپ اس وقت کیسے تشریف لائیے؟"

کیٹی جو کہ ڈی آئی جی پولیس کی پوری وردی میں تھی کہا:

"کوئی خاص بات نہیں۔ بس ذرا رانی گھانسی کے درشن کرنے آیا تھا۔ آپ کو تو معلوم ہی ہے جب کسی ہمسایہ ملک کی کوئی مشہور شخصیت آتی ہے تو ہمیں ان کا ہر طرح سے خیال رکھنا پڑتا ہے۔"

"جی ہاں۔ جی ہاں۔ بجا فرمایا۔"

مینجر نے جھک کر کہا اور آگے سے راستہ چھوڑ دیا۔ کیٹی اور ناگ ہوٹل کی لابی سے نکل کر مال روڈ پر آ گئے اور ایک ٹیکسی لے کر قبرستان میانی صاحب روانہ ہو گئے۔ میانی صاحب پہنچ کر انہوں نے ٹیکسی چھوڑ دی۔ وہ بہاول پور روڈ پر سے قبرستان کے اندر جانے والی سڑک پر آ گئے۔ یہاں اچانک جھاڑیوں میں سے نکل کر تین سپاہی سامنے آ گئے۔ وہاں اندھیرا تھا۔

سپاہی نے اکھڑ لہجے میں کہا :

"کون ہے اوئے ؟ کون جا رہا ہے ؟"

کیٹی نے آگے بڑھ کر کہا :

"تمہارا باپ ہے اوئے ۔ تمہارا باپ جا رہا ہے ۔"

سپاہی طیش کھا کر آگے آ گئے ۔ انہوں نے جو اپنے سامنے ڈی آئی جی پولیس شیر خان کو دیکھا تو ان کی سٹی گم ہو گئی ۔ یعنی ان کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے ۔ وہ ڈی آئی جی کی شکل پہچانتے تھے ۔ سمجھ گئے کہ بڑا صاحب کسی زبردست مگر خفیہ مہم پر وہاں آیا ہے ۔ تینوں سپاہیوں نے اتنے زور سے ایڑیاں جوڑ کر سیلوٹ مارے کہ تینوں کی ایڑیاں درد کرنے لگیں ۔

کیٹی نے بید کا ڈنڈا لہراتے ہوئے کہا :

"جاؤ اوئے ۔ یہاں سے دُور ہو جاؤ ۔"

تینوں سپاہی ایک بار پھر سیلوٹ کر کے وہاں سے غائب ہو گئے ۔

ناگ نے کہا :

"اس طرف تھی وہ پُرانی قبر ۔"

"کسی اور قبر کو نہ کھول دینا ۔" کیٹی نے کہا ۔

ناگ بولا :

"میں نے سوراخ کے آگے بڑا سا پتھر رکھ دیا ہوا ہے ۔ یہی اس کی نشانی ہے ۔"

بہت جلد انہیں وہ پرانی قبر مل گئی ۔ ناگ نے خدا کا نام لے کر سوراخ کے منہ پر سے پتھر ہٹایا اور عنبر کو آواز دی ۔ قبر کے اندر سے کسی نے جواب نہ دیا ۔

ناگ نے ایک بار پھر عنبر کو آواز دی :

"عنبر بھیا ! ہم آ گئے ہیں ۔ باہر نکل آؤ ۔"

مگر قبر کے اندر سے کوئی آواز نہیں آ رہی تھی ۔ ایک گہری خاموشی کی سنسناہٹ سی سنائی دے رہی تھی ۔ کیٹی نے جیب سے ٹارچ نکال کر قبر کے سوراخ کے اندر روشنی ڈالی ۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ قبر بالکل خالی تھی اور عنبر انسان کے روپ میں تو کیا وہاں سانپ کے روپ میں بھی نہیں تھا ۔

کیٹی بولی :

"عنبر کہاں چلا گیا ناگ ؟"

ناگ نے بھی قبر میں روشنی ڈال کر چاروں طرف دیکھا ۔ عنبر کہیں نہیں تھا ۔ دونوں کو فکر لگا کہ کہیں کوئی حادثہ نہ پیش آ گیا ہو ۔ ناگ نے آہستہ آہستہ اور سانپ کی آواز میں بھی عنبر کو آوازیں دیں مگر عنبر وہاں پر موجود ہی نہیں تھا ۔ اگر ہوتا تو ضرور جواب دیتا ۔ وہ سخت ناامید ہو کر واپس ہوٹل آ گئے ۔

کیٹی نے کمرے میں آ کر دروازہ بند کر لیا اور ناگ سے کہا:

"ناگ بھیا! اب کیا پروگرام ہے؟ عنبر کو ہم کہاں تلاش کریں گے؟"

ناگ بولا:

"کیٹی بہن! میرا خیال ہے کہ عنبر اسی شہر میں کسی جگہ پہنچ گیا ہے۔ ضرور اس کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آ گیا ہے۔ اس لیے ہمیں اسی جگہ رہ کر اس کا انتظار کرنا چاہیے۔"

کیٹی نے کہا:

"مگر اس ہوٹل میں اب میں زیادہ دیر رانی گھانسی کے بہروپ میں نہیں رہ سکتی۔ ان لوگوں کو شک ہو جائے گا اور ہم پر بیس ہزار روپے ادا نہ کرنے کے جرم میں مقدمہ چلے گا اور ہم دونوں قید ہو جائیں گے۔"

ناگ بولا:

"چاہے کچھ بھی ہو۔ ہمیں کم از کم ایک ہفتہ لاہور میں ضرور رہنا چاہیے۔ ہو سکتا ہے سات دن کے بعد عنبر اپنی قبر میں واپس آ جائے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے مگر اس ہوٹل میں اتنے دن کیسے

رہیں گے؟" کیٹی نے کہا:

ناگ بولا:

"جس طرح پہلے سات دن رہے ہیں۔ یعنی رانی گھانسی بن کر۔"

کیٹی نے کہا:

"میں رانی گھانسی کی شکل سے تنگ آ گئی ہوں میرا خیال ہے کہ میں کچھ دن ڈی آئی جی کے بہروپ میں بسر کروں گی۔"

ناگ کہنے لگا:

"پاگل لڑکی! اصلی ڈی آئی جی صاحب تو لاہور میں رہ رہے ہیں۔ اگر انہیں پتہ چل گیا کہ ایک نقلی ڈی آئی جی ہوٹل ہلٹن میں موجود ہے تو مصیبت پڑ جائے گی۔"

کیٹی تالی بجا کر بولی:

"پھر تو خوب مزا آ جائے گا۔"

اب ایسا ہوا کہ رات کے ایک بجے گورنر نے ڈی آئی جی کو ٹیلی فون پر بتایا کہ صبح صبح امریکہ سے ایک سیاسی شخصیت لاہور پہنچ رہی ہے۔ یہ وزارت خارجہ کا ایک اعلیٰ افسر ہے جو ہوٹل ہلٹن میں ٹھہرایا جائے گا۔ آپ ہوٹل ہلٹن

خود جا کر سیکورٹی چیک کریں اور دیکھیں کہ انہیں کون سا کمرہ دیا جائے۔ کیوں کہ ان کی حفاظت کا ہمیں بڑا سخت انتظام کرنا ہو گا۔

اصلی ڈی آئی جی بشیر خان نے گورنر سے کہا کہ وہ ابھی جا رہے ہیں۔ فون بند کیا۔ وردی پہنی اور گاڑی میں بیٹھ کر ہوٹل ہلٹن آ گئے۔ یہاں مینیجر کاؤنٹر پر بیٹھا رجسٹروں کو مکمل کر رہا تھا کہ اصلی ڈی آئی جی اس کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔

مینیجر نے اسے دیکھ کر سلام کیا اور پوچھا:

"آپ جا رہے ہیں حضور؟"

ڈی آئی جی نے کہا:

"میں تو آ رہا ہوں۔"

مینیجر نے کہا:

"لیکن آپ تو ابھی ابھی اوپر رانی گھانسی کے کمرے میں اس کے سیکرٹری کے ساتھ گئے تھے۔"

اصلی ڈی آئی جی نے تعجب سے پوچھا:

"کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ میں تھا؟"

مینیجر بولا:

"حضور! آپ ہی تھے۔ آپ نے یہاں سے جاتے ہوئے بھی مجھ سے باتیں کی تھیں۔ پھر میں نے ابھی

ابھی آپ کو دیکھا کہ آپ باہر سے سیکرٹری کے ساتھ تشریف لائے اور اوپر رانی گھانسی دیوی کے کمرے میں سیڑھیاں چڑھ کر چلے گئے۔"

اصلی ڈی آئی جی سمجھ گیا کہ اس ہوٹل میں کوئی دھوکے باز اس کا حلیہ بنا کر کوئی بہت بڑا فراڈ کرنے والا ہے۔ اس نے مینیجر سے کہا:

"میرے ساتھ رانی گھانسی دیوی کے کمرے میں چلو۔ مگر بڑی احتیاط کے ساتھ۔ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائے۔ وہ کوئی جعل ساز ہے۔ میں اصلی ڈی آئی جی ہوں۔ وہ میرا حلیہ بنا کر یہاں آیا ہے۔"

مینیجر حیران ہو کر اصلی ڈی آئی جی کے ساتھ سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ اصلی ڈی آئی جی نے پستول نکال کر ہاتھ میں پکڑ لیا تھا۔ رانی گھانسی دیوی کے کمرے کے باہر جا کر مینیجر نے دروازے پر دستک دی:

"کون ہے؟" اندر سے ناگ کی آواز آئی۔

"میں ہوں سر — مینیجر!"

ناگ نے دروازے کے سوراخ میں سے دیکھا کہ باہر مینیجر کے ساتھ ہو بہو کیٹی ڈی آئی جی کی شکل کا ایک آدمی وردی میں کھڑا ہے۔ فوراً سمجھ گیا کہ اصلی ڈی آئی جی آ گیا ہے۔

بھاگ کر کیٹی کے کمرے میں گیا اور کہا کہ مصیبت آ گئی۔ اصلی ڈی آئی جی لاہور باہر دروازے پر کھڑا ہے۔ اب کیا ہوگا

کیٹی نے مسکرا کر کہا:

"پھر کیا ہوا۔ میں ابھی چٹکی بجاتی ہوں۔ مگر مجھے یہ بتاؤ کہ اس اصلی ڈی آئی جی کے اوپر کون سا افسر ہوتا ہے؟"

ناگ نے کہا:

"اس کے اوپر تو پھر پنجاب کا گورنر ہی ہوتا ہے"

کیٹی نے آنکھیں بند کر لیں۔

ناگ نے ہاتھ جوڑ کر کہا:

"خدا کے لیے ایسا نہ کرنا"

مگر کیٹی نے پنجاب کے گورنر کی شکل ذہن میں لاتے ہوئے چٹکی بجا دی۔ دوسرے لمحے کیٹی پنجاب کے گورنر کی شکل میں وہاں کھڑی تھی۔

ناگ نے کہا:

"خدا کے لیے یہ ناٹک بند کرو کیٹی۔ اس کی کوئی حد نہیں ہے"

کیٹی بولی:

"پہلے اس مصیبت سے تو نمٹ لوں جو ہمارے

دروازے کے باہر کھڑی ہے۔ آؤ اب اور دیکھو مصیبت کیسے گدھے کے سینگوں کی طرح بھاگتی ہے۔

دروازے پر دھڑا دھڑ دستک ہو رہی تھی۔ اب اصلی ڈی آئی جی نے دروازے پر پاؤں کی ٹھوکر مار کر کہا:

"دروازہ کھول لو نہیں تو میں گولی چلا دوں گا"

کیٹی نے جو پنجاب کے گورنر کی شکل میں تھی بڑے آرام ے دروازہ کھول دیا اور کہا:

"کون بدتمیز ہے؟"

اصلی ڈی آئی جی نے جو اپنے سامنے پنجاب کے گورنر سلیپنگ سوٹ میں دیکھا تو اس کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔ پستول اس کے ہاتھ سے گرنے ہی لگا تھا کہ اس نے اسے یب میں رکھ لیا اور سیلوٹ مار کر بولا:

"حضور! غلطی ہو گئی"

کیٹی گورنر پنجاب نے کہا:

"تمہیں میرے کمرے کے دروازے کو زور زور سے کھٹکھٹانے کی جرأت کیسے ہوئی؟ تمہیں معلوم تھا کہ گورنر پنجاب یہاں نہایت ضروری میٹنگ کے لیے آئے ہوئے ہیں"

پھر مینجر کی طرف دیکھ کر کیٹی نے کہا:

"اور تم بھی ساتھ آئے ہو مسخرے مینجر! تمہیں تو میں صبح ٹھیک کر لوں گا۔ اب دفع ہو جاؤ تم دونوں یہاں سے اور مجھے کام کرنے دو۔ میں اس وقت بہت ضروری میٹنگ لے رہا ہوں۔ جاؤ۔ جاؤ۔"

اصلی ڈی آئی جی اور مینجر نے بڑے ادب سے سلام ک اور چلے گئے۔ سیڑھیوں میں آ کر ڈی آئی جی نے مینجر ک گردن کو دبوچ لیا اور کہا:

"حرامزادے! کہاں ہے ڈی آئی جی تیرا باپ؟ کمینے تو نے مجھے بتایا ہی نہیں کہ یہاں گورنر صاحب تشریف لائے ہوئے ہیں؟"

مینجر نے ہاتھ جوڑ کر کہا:

"حضور! قسم لے لیں مجھے کچھ نہیں پتہ کہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔ آپ اوپر گئے تھے۔ پھر باہر سے آئے تھے۔ خدا جانے یہ گورنر صاحب کہاں سے آ گئے ہیں۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ یہ دونوں کوئی بہت بڑے بہروپیے اور جعل ساز ہیں۔ آپ گورنر ہاؤس فون کر کے پتہ کریں کہ گورنر صاحب کہاں ہیں؟"

ڈی آئی جی نے کہا:

"مگر میں نے گورنر صاحب کو اچھی طرح سے دیکھا ہوا ہے۔ اوپر جو گورنر ہے اس کی شکل بالکل گورنر کی ہے۔"

مینجر نے کہا:

"حضور! ان لوگوں نے آپ کی بھی تو ہو بہو شکل بنا لی تھی۔ یہ ضرور کوئی جادوگر ہیں حضور! آپ گورنر ہاؤس فون کریں۔"

ڈی آئی جی نے کاؤنٹر پہ آ کر گورنر ہاؤس فون کیا۔ ادھر ے گورنر کے پرائیویٹ سیکرٹری کی آواز آئی۔

ڈی آئی جی نے کہا:

"میں ڈی آئی جی بول رہا ہوں۔ گورنر صاحب نے ابھی ابھی مجھے فون کر کے یہاں ہلٹن ہوٹل بھیجا تھا۔ اگر وہ اس وقت جاگ رہے ہوں تو میری ان سے بات کرا دیں۔ بڑا ضروری مشورہ کرنا ہے۔"

سیکرٹری نے کہا:

"میں گورنر صاحب سے ملائے دیتا ہوں۔ وہ کام کر رہے ہیں اپنے کمرے میں۔"

"شکریہ"

ڈی آئی جی بڑا حیران ہوا۔ اس نے مینجر سے کوئی بات

نہ کی۔ وہ چکر کھا گیا تھا کہ اگر گورنر صاحب گورنر ہاؤس میں ہے تو اوپر جو گورنر ہے اور جس کی شکل ہو بہو گورنر کی ہے وہ کون ہے۔ اتنے میں اُدھر سے گورنر پنجاب کی آواز آئی:

"ہیلو! میں گورنر بول رہا ہوں۔"

ڈی آئی جی نے کہا:

"سر! میں آپ کے حکم کے مطابق یہاں ہوٹل میں آگیا ہوں آپ کو اس لیے زحمت دی ہے کہ کتنے کمرے بک کرا لیے جائیں سر!"

"چھ سات کروا لو۔ اس افسر کا سٹاف بھی ساتھ ہوگا۔"

اتنا کہہ کر گورنر نے فون بند کر دیا۔ ڈی آئی جی ششدر رہ گیا۔

مینجر نے جلدی سے پوچھا:

"یہ کیسے ہو سکتا ہے سر؟ گورنر اوپر بھی ہے اور گورنر، گورنر ہاؤس میں بھی ہے۔ اُف میرے خدا میں پاگل ہو جاؤں گا۔"

مینجر سر پکڑ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ ڈی آئی جی نے جیب پستول نکال لیا اور تیزی سے اوپر کی سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ ناگ اور کیٹی کے کمرے کے باہر پہنچ کر اس نے دروازے

ٹھوکر مار کر آواز کی:

"دروازہ کھولو۔"

ناگ اور کیٹی آرام کر رہے تھے۔ ناگ نے دروازے کے سوراخ میں سے جھانک کر جب اصلی ڈی آئی جی کو دوبارہ دیکھا تو لپک کر کیٹی کے کمرے میں گیا۔ وہ رانی گھانسی کی شکل میں پلنگ پر لیٹی ہوئی تھی۔

"کیا ہوا؟ کون بدتمیز اتنی زور سے دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے۔"

ناگ نے کہا:

"مہارانی صاحبہ وہی ڈی آئی جی پولیس آپ کو گرفتار کرنے آیا ہے۔"

"اس کی یہ جرأت کہ ہمیں بے آرام کرے۔ ابھی اس کو مزہ چکھاتی ہوں۔ مجھے بتاؤ ناگ کہ گورنر کے اوپر کون سا افسر ہوتا ہے؟"

ناگ نے دوبارہ ہاتھ جوڑ کر کہا:

"نہیں نہیں کیٹی۔ خدا کے لیے ایسا نہ کرنا۔"

"تم مجھے بتاؤ تو سہی کہ گورنر کے اوپر کون سا افسر ہوتا ہے؟"

ناگ نے ڈرتے ڈرتے کہا:

"گورنر کے اوپر تو ملک کا وزیر اعظم ہی ہوتا ہے۔"

کیٹی نے کہا:

"وہی چھوٹی سی ڈاڑھی والا؟ جس کی تصویر آج صبح کے اخبار میں بھی چھپی تھی؟"

"ہاں وہی۔"

دروازے پر پھر دستک ہوئی۔

ناگ نے کہا:

"آ رہا ہوں۔"

ناگ نے دروازہ کھولا۔

اصلی ڈی آئی جی نے پستول تان کر کہا:

"خبردار جو اپنی جگہ سے حرکت کی۔ بتاؤ جعل ساز ڈی آئی جی کہاں ہے؟"

ناگ نے کہا:

"جناب یہاں تو کوئی بھی جعل ساز ڈی آئی جی نہیں ہے۔"

"دوسرے کمرے میں کون ہے؟"

"آپ خود چل کر دیکھ لیں۔"

ناگ نے یہ کہا اور راستے سے ہٹ گیا۔ ڈی آئی جی کے ہاتھ میں پستول تھا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا بیڈ روم کی

طرف آیا۔ ایک دم سے پردہ ہٹا کر کہا:

"ہینڈز اپ!"

مگر کیا دیکھتا ہے کہ سامنے پلنگ کے پاس کرسی پر ملک کا وزیر اعظم کرسی پر بیٹھا اس کی طرف گھور کر دیکھ رہا ہے۔ ڈی آئی جی کے ہاتھ میں پستول دیکھ کر وزیر اعظم نے کہا:

"کیا تم مجھے گولی مارنا چاہتے ہو؟ تم بغاوت کر رہے ہو؟ تم مجھے مار کر میری حکومت کا تختہ الٹنا چاہتے ہو؟"

ڈی آئی جی کی گھگھی بندھ گئی۔ ٹانگیں کانپنے لگیں۔ پستول ہاتھ سے گر گیا اور خود بھی گھٹنوں کے بل گر کر ہاتھ باندھ کر گڑگڑایا:

"حضور! مجھے معاف کر دیں۔ میں ایک جعل ساز کی تلاش میں آیا تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ یہاں تشریف رکھتے ہیں۔ مجھے معاف کر دیں۔ اُف یہ کیا گڑبڑ ہو رہی ہے حضور!"

وزیر اعظم نے بڑے رعب سے کہا:

"دفع ہو جاؤ۔ یہاں سے نکل جاؤ۔"

ڈی آئی جی نے پستول اٹھایا اور جھک کر سلام کر کے

ہر کو اُٹھ دوڑا۔ وہ ایک ہی وقت میں دو دو سیڑھیاں چلانگتا نیچے اُتر رہا تھا۔ سامنے کاؤنٹر پر مینجر پریشان بیٹھا تھا۔ اس نے ڈی آئی جی کو پاگلوں کی طرح آتے دیکھا تو چلّایا:

"حضور کیا ہوا؟"

ڈی آئی جی نے اپنا سر پیٹ کر کہا:

"اوپر وزیر اعظم بیٹھے ہیں۔"

"وہاں — جا کر دیکھ لو!"

اور ڈی آئی جی پاگلوں کی طرح اپنے سر کو پیٹتا ہوا ہوٹل کی لابی سے باہر نکل گیا۔ مینجر کو چکر آگیا۔ وزیر اعظم، وزیر اعظم! اور وہ چکر کھا کر گرا اور بے ہوش ہو گیا۔

ڈی آئی جی نے دفتر جا کر دارالحکومت اپنے ایک خاص آدمی کو فون کر کے کہا کہ فوراً معلوم کرو کہ ملک کا وزیراعظم کہاں ہے۔

اُس آدمی نے کہا:

"کیا پاگل ہو گئے ہو؟ آدھی رات کو تمہیں وزیراعظم کی فکر کیوں پڑ گئی ہے؟"

"خدا کے لیے مجھے ابھی پتہ کر کے بتاؤ کہ وزیراعظم کہاں ہیں؟"

دو منٹ بعد اسی آدمی نے فون پر ڈی آئی جی کو بتایا کہ وزیر اعظم دارالحکومت میں ہی ہیں اور پرائم منسٹر ہاؤس میں میٹنگ لے رہے ہیں۔ میں خود انہیں دیکھ کر آ رہا ہوں۔ ڈی آئی جی کے ہاتھ سے ریسیور گر پڑا اور وہ خود بھی دھم سے صوفے پر گر پڑا۔ یہ کیا ہو رہا ہے؟ یا اللہ! یہ کیا معمہ ہے؟ وہ کیا کرے! اسے کیا کرنا چاہیے؟ جب ڈی آئی جی کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تو اس نے نیند لانے والی گولیاں پانی سے کھائیں اور صوفے پر پڑی ہوئی گدیوں میں سر گھسا کر سو گیا۔

دوسرے دن جب اس نے پوری تحقیق کر لی کہ وزیراعظم لاہور میں نہیں ہے تو ڈی آئی جی نے پولیس کا ایک دستہ ساتھ لیا اور ہوٹل ہلٹن کو جا کر گھیرے میں لے لیا۔ وہ کیٹی اور ناگ کو گرفتار کرنا چاہتا تھا۔ ناگ نے پولیس کو ہوٹل کے چاروں طرف پھیلے ہوئے دیکھا تو کیٹی سے کہا:

"یہ لو آ گئی مصیبت — اب کیا بننے کا ارادہ ہے گورنر اور وزیر اعظم تو بن چکی ہو۔ اب باقی امریکہ کا صدر کینیڈی ہی رہ گیا ہے۔"

کیٹی نے خوش ہو کر کہا:

"میں امریکہ کا صدر کینیڈی بن جاؤں گی۔"

ناگ چلایا:

"خدا کے لیے میری حالت پر ترس کھاؤ۔ کیوں میرا مردہ خراب کر رہی ہو؟"

"تو پھر یہاں سے بھی تو نکلنا ہے؟"

ناگ بولا:

"میں پرندہ بن کر اُڑ جاتا ہوں۔ تم بلی بن کر نکل چلو۔ ہماری ملاقات قبرستان میں اسی قبر پر ہوگی جس میں ہم نے عنبر کو لٹایا تھا:"

"ٹھیک ہے تم جاؤ۔ میں تمہارے پیچھے پیچھے آتی ہوں مگر خدا کے واسطے آ جانا۔ کوئی اور حرکت نہ کرنا!" ناگ نے کہا:

کیٹی مسکرائی:

"بالکل نہیں کرتی۔ بس تمہارے پیچھے پیچھے آ رہی ہوں"

ناگ نے گہرا سانس لیا اور چڑیا بن کر پھر سے اُڑ گیا۔

پولیس نے ہوٹل کے گرد گھیرا تنگ کر لیا اور ڈی آئی جی پولیس کے سات سپاہیوں کو لے کر سیڑھیاں چڑھنے لگا کہ ناگ کے کمرے میں جا کر نقلی وزیر اعظم کو گرفتار کرے گا۔ ابھی اس نے آدھی سیڑھیاں ہی چڑھی تھیں کہ

اس نے اپنے سامنے امریکہ کے صدر کینیڈی کو دیکھا کہ خوب صورت سوٹ پہنے مسکراتا ہوا سیڑھیاں اتر رہا ہے۔

"ہیلو! ہاؤ آر یو مائی فرینڈز!"

صدر کینیڈی نے ڈی آئی جی سے آگے بڑھ کر ہاتھ ملایا۔ ڈی آئی جی کا خوف کے مارے ہاتھ ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ صدر کینیڈی نے مسکراتے ہوئے کہا:

"یو آر کولڈ سر؟ آپ کے ہاتھ کیوں ٹھنڈے ہیں جناب؟"

ڈی آئی جی کا حلق دہشت کے مارے خشک ہو گیا تھا۔ اس کے منہ سے ایک لفظ نہیں نکل رہا تھا۔ اس نے صدر کینیڈی کے آگے ادب سے سر جھکایا۔ سپاہی ایک دم ادھر اُدھر ہو گئے۔ ہوٹل کے لوگ بھی صدر کینیڈی کو اپنے سامنے دیکھ کر ششدر رہ گئے کہ امریکہ کا صدر اچانک لاہور کیسے آ گیا۔ ڈی آئی جی کا دماغ چکر کھا رہا تھا۔ وہ صوفے پر بیٹھ گیا اور اپنا سر تھام لیا۔ مینیجر پاگلوں کی طرح صدر کینیڈی کا منہ تک رہا تھا۔ صدر کینیڈی سیڑھیاں اُتر کر ڈی آئی جی کے پاس آیا اور آہستہ سے پنجابی میں بولا:

"اوئے بشیریا! کیہہ حال اے تیرا؟"

اور پھر مینیجر کے پاس آیا اور اس کے بالکل قریب

منہ لے جا کر بولا:

"کیہہ حال اے بادشاہو؟"

منیجر اور ڈی آئی جی ہکے بکے ہو کر صدر کینیڈی کا منہ دیکھ رہے تھے اور خوف کے مارے ان کے ہونٹ خشک ہو گئے تھے۔ ان کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ صدر کینیڈی نے ہوٹل کی لابی میں کھڑے ہو کر سب لوگوں کو ہاتھ ہلایا اور پھر لوگوں نے دیکھا کہ صدر کینیڈی نے چٹکی بجائی اور اس کی جگہ ایک کالی بلی میاؤں میاؤں کرتی باہر کو بھاگ گئی۔ لوگ دہشت کے مارے اپنی جگہ پر کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔

ڈی آئی جی نے اپنا سر آگے کر دیا اور چلایا:

"میرے سر پر پانی ڈالو۔ میرے سر پر پانی ڈالو۔ میرا سر کھول رہا ہے....؟"

اُدھر منیجر بھی نیم پاگل ہو گیا تھا۔ وہ کاؤنٹر پر کھڑے ہو کر قہقہے لگا رہا تھا۔ اور بار بار کہہ رہا تھا:

"رانی گھانسی دیوی۔ ڈی آئی جی۔ گورنر پنجاب۔ وزیراعظم صدر کینیڈی۔ میرا بیس ہزار روپیہ۔ میرا بیس ہزار روپیہ۔ مارا گیا۔ میں مارا گیا۔ ہاہاہا"

کیٹی کالی بلی کی شکل میں مال روڈ پر سے گزر کر کوئنز روڈ

پر آ گئی اور سڑک کے کنارے کنارے گنگا رام ہسپتال کے سامنے سے ہو کر مزنگ چونگی کی طرف روانہ ہو گئی بلی کو دیکھ کر کچھ آوارہ کتے اس پر بھونکنے لگے اور جھپٹے۔ کیٹی بھاگی۔ کتے اس کے پیچھے لپکے۔ کیٹی پریشان ہو گئی۔ کم بخت کتے اس کی جان چھوڑنے والے نہیں لگتے تھے۔ وہ ہسپتال کے اندر گھس گئی۔ کتے بھی اس کے پیچھے بھاگے۔ وہاں ایک شور مچ گیا۔ کتوں نے بھی اس قسم کی بلی پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ وہ زور زور سے بھونک رہے تھے اور کیٹی کو پھاڑ ڈالنے ہی والے تھے کہ کیٹی نے دل ہی دل میں بنگال کے زرد دھاری دار شیر کا خیال دل میں کر کے خیال ہی خیال میں چٹکی بجائی۔ کتے جونہی بلی کی طرف بڑھے اپنے سامنے ایک زبردست شیر کو دیکھ کر اُلٹے پاؤں بھاگے شیر زور سے دھاڑا۔ کتے تو بھاگ گئے مگر ہسپتال میں افراتفری مچ گئی۔ مریض شیر کی دھاڑ سن کر اپنے بستروں پر کانپ گئے۔ نرسیں چیخیں مارتی بھاگتے دوڑنے لگیں۔ ہسپتال کے برآمدے دیکھتے دیکھتے خالی ہو گئے۔ کیٹی نے بنگال کے شیر کی شکل میں خالی برآمدوں کا ایک چکر لگایا۔ ایک انگڑائی لے کر منہ اوپر اٹھا کر آخری بار بھیانک انداز میں گرج کر خیال ہی خیال میں اپنی شکل سامنے لا کر چٹکی بجانے کا

تصور کیا اور وہ تیزی سے ایک دم اپنی اصلی کیٹی کی صورت میں آ کر ایک لڑکی بن گئی۔ اس نے نیلی شلوار قمیض پہن رکھی تھی اور چوکور آنکھوں پر سیاہ چشمہ چڑھا رکھا تھا۔ وہ بڑے آرام سے برآمدے سے نکل کر سڑک پر آ گئی اور میانی صاحب کے قبرستان کی طرف چل پڑی۔

بوڑھا سانپ سونے کی اشرفیاں

کیٹی اپنی اصلی خوب صورت شکل میں مزنگ چوک کی رف جا رہی تھی۔

اس کی آنکھوں پر سیاہ چشمہ تھا جس نے اس کی چوکور کھوں کو چھپا رکھا تھا۔ کالج کے دو لڑکے اس کے پیچھے گ گئے اور اس پر آوازیں کسنے لگے۔ یہ بہت بری بات ے۔ کسی بھی مہذب ملک میں ایسا نہیں ہوتا۔ ہمارے ملک ں بھی شریف اور مہذب لڑکے کبھی ایسی حرکت نہیں کرتے لیکن کالی بھیڑیں بھی بیچ میں ہی ہوتی ہیں۔ یہ برے لڑکے تھے اور کیٹی کو محض تنگ کرنے کے لیے اس کے پیچھے گ گئے تھے کہ ایک جوان لڑکی اکیلی جا رہی ہے ذرا اسے یشان کرتے ہیں۔

کیٹی نے پہلے تو ان کی طرف کوئی دھیان نہ دیا اور نے خیال میں چلتی گئی۔ مزنگ چوک سے گزرنے کے لیے مکتی فوج کے دفتر کی دیوار کے پاس ٹھہری تو ایک لڑکے

نے اس پر پیچھے سے خربوزے کا چھلکا پھینکا۔ خلائی لڑکی کیٹی کو سخت غصہ آیا۔ اس نے غصے کو ظاہر نہ ہونے دیا۔ مسکرا کر اس لڑکے کی طرف دیکھا اور اشارے سے اپنے پیچھے آنے کو کہا۔ لڑکا بڑا خوش ہوا۔ وہ کیٹی کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ اس کا ایک دوست بھی جو کیٹی پر آوازے کس رہا تھا خوش ہو کر اس کے پیچھے لگ گیا۔ کیٹی بہاول پور روڈ پر آ کر قبرستان کے اندر جانے والی خاموش سڑک پر آ گئی۔ یہاں بھی اس نے مسکرا کر لڑکوں کو پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ لڑکے بڑے خوش تھے۔ مگر وہ قبرستان میں داخل ہو کر کچھ گھبرا بھی گئے تھے۔ مگر یہ سوچ کر کہ دن کا وقت ہے وہ بے دھڑک کیٹی کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔

"کیا حال ہے جناب؟"

کیٹی رُک گئی۔ اس نے دیکھا کہ آس پاس بالکل خاموشی تھی۔ سوائے قبروں اور قبروں کے مُردوں کے وہاں کوئی نہیں تھا۔ کیٹی نے اس لڑکے کی طرف دیکھا جس نے اسے چھلکا مارا تھا۔

"خربوزے کا چھلکا تم نے پھینکا تھا؟"

لڑکے نے شرماتے ہوئے کہا:

"مجھے معاف کر دیں بس غلطی ہو گئی تھی؟"

کیٹی نے چشمہ اتار کر کہا:

"کبھی ایسی خوب صورت آنکھیں تم نے پہلے دیکھی ہیں؟"

کیٹی کی نیلی چوکور آنکھیں دیکھ کر دونوں لڑکوں پر دہشت طاری ہو گئی۔ وہ تھر تھر کانپنے لگے۔ سمجھ گئے کہ کسی چڑیل سے پالا پڑ گیا ہے۔ ان میں خوف کے مارے اتنی ہمت بھی باقی نہیں رہی تھی کہ وہاں سے بھاگ ہی جائیں۔ کیٹی نے چٹکی بجائی تو وہ ایک دم سے بنگال کا شیر بن گئی اور دونوں لڑکوں کی گردنوں پر پنجہ رکھ کر انہیں نیچے جھکا دیا پھر چٹکی بجائی تو تھانے دار کے روپ میں آ گئی اور لڑکوں سے کہا:

"زمین پر ناک رگڑ کر لکیریں نکالو اوئے سُورو!"

لڑکوں کی جان ہی نکل گئی تھی۔ ایک دم سے بخار چڑھ گیا تھا۔ وہ زمین پر ناک رگڑ کر لکیریں نکال رہے تھے۔

کیٹی تھانیدار نے کہا:

"زور سے ناک رگڑو اوئے جیرے بلیڈ دیو پُترو!"

مگر دونوں لڑکے دہشت کے مارے زمین پر گر پڑے۔

کیٹی نے ان کی آنکھوں کے آگے ہاتھ کر کے کہا:

"چٹکی بجا کر کیا بن جاؤں؟ تمہاری ماں بنوں؟ تمہارا باپ بنوں جس نے تمہیں نیک تربیت نہیں دی

تمہاری پھوپھی بن جاؤں؟ اچھا چلو میں سانپ بن جاتی ہوں۔"

کیٹی نے زور سے چٹکی بجائی اور سانپ بن کر جو پھنکار ماری تو دونوں لڑکے چیخ مار کر بے ہوش ہو گئے۔ خلائی لڑکی کیٹی نے بلند قہقہہ لگایا اور بولی:

"بُرے لڑکوں کا بُرا انجام ہوتا ہے جو دوسروں کی عزت نہیں کرتا، اس کی بھی کوئی عزت نہیں کرتا۔"

یہ کہہ کر خلائی لڑکی کیٹی پھر اپنی اصلی انسانی شکل میں واپس آ گئی اور پُرانی قبر کی طرف چلی جہاں ناگ کب سے اس کا انتظار کر رہا تھا۔ کیٹی کو دیکھتے ہی بولا:

"تم نے اچھا کیا جو اپنی اصلی زنانہ شکل میں میرے پاس آئیں ورنہ میرے لیے تمہیں پہچاننا مشکل ہو جاتا۔ مگر تم نے اتنی دیر کہاں لگا دی؟"

کیٹی نے کہا:

"تم تو چڑیا بن کر پھُر سے اُڑتے ہوئے یہاں جلدی پہنچ گئے تھے۔ مجھے پیدل یہاں تک آنا پڑا اور پھر تمہارے اس لاہور شہر میں اکیلی لڑکی کو کوئی آرام سے چلنے دیتا ہے؟"

"کیوں کیا ہوا؟" ناگ نے پوچھا۔

"بس لڑکے پیچھے لگ گئے۔ کوئی چھلکے پھینک رہا ہے۔ کوئی آوازے کس رہا ہے وغیرہ وغیرہ۔"

ناگ بولا:

"مجھے بے حد افسوس ہے کیٹی بہن! لیکن میں اگر تمہارے ساتھ ہوتا تو ان بدمعاشوں کو ایسا سبق سکھاتا کہ انہیں نانی یاد آ جاتی۔"

کیٹی نے کہا:

"فکر نہ کرو۔ میں نے بھی انہیں ایسا سبق سکھایا ہے کہ انہیں ہمیشہ نانی یاد آتی رہے گی اور وہ کبھی کسی غریب عورت کو اکیلی دیکھ کر اسے تنگ نہیں کریں گے۔"

پھر وہ ناگ کے قریب پرانی قبر کے چبوترے پر بیٹھ گئی اور بولی:

"اب کیا پروگرام ہے ناگ؟ عنبر تو اس قبر میں مقفل ہے اور اس قبر میں اس کے دوبارہ نکلنے کا چانس بھی نہیں ہے۔"

ناگ بولا:

"تمہارا کیا خیال ہے۔ ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"

کیٹی نے کہا:

"عنبر کو ہم نے اس قبر میں لٹایا تھا۔ میرا دل کہتا ہے کہ وہ اسی قبر میں واپس آئے گا۔"

ناگ نے کہا:

"لیکن ہم کب تک اس کا انتظار کریں؟"

کیٹی نے کہا:

"ہمیں کم از کم ایک مہینہ اس کا ضرور انتظار کرنا چاہیے اور پھر ذرا سوچو کہ ہم یہاں سے کسی دوسرے شہر کو چلے بھی گئے تو ہمیں کیا حاصل ہو گا۔ یا تو ہم یہاں سے اپنے طور پر ڈھائی ہزار سال پیچھے نکل جائیں کہ چلو ماریا کو تلاش کرنا شروع کریں گے۔ مگر ہم ایسا بھی نہیں کر سکتے۔ اس لیے کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ ہم اسی لاہور شہر میں ٹھہریں اور ہر روز رات کو آ کر اس قبر کو دیکھ جایا کریں کہیں عنبر ہماری راہ تو نہیں دیکھ رہا؟"

"مناسب خیال ہے۔" ناگ نے کہا۔ "مگر تمہاری اِن چوکور آنکھوں کے ساتھ اس شہر میں شور مچ جائے گا۔ اخبار اور پولیس والے تمہیں جینے نہیں دیں گے۔"

کیٹی نے کہا:

"میرا کیا ہے۔ میں چٹکی بجا کر کوئی بھی شکل اختیار

کر کے تمہارے ساتھ رہ لوں گی۔ مگر سوال یہ ہے کہ رہیں گے کہاں۔ ہلٹن ہوٹل تو ہم سے گیا۔"

ناگ ہنسا:

"وہ تو کبھی رانی گھانسی دیوی اور کبھی صدر کینیڈی کو یاد کر کے رو رہے ہوں گے کہ وہ چلے کہاں گئے؟"

کیٹی نے قہقہہ لگا کر کہا:

"وہ تو مینجر رہا ہو گا۔ بیس ہزار روپے کہاں سے لا کر دے گا وہ؟"

ناگ نے کہا:

"ویسے کیٹی یہ تم نے اس کے ساتھ ظلم کیا ہے آخر اس کا کیا قصور ہے۔ ہوٹل کے مالک تو اس سے بیس ہزار روپے وصول کریں گے۔ اصل میں تو ہوٹل کے مالکوں کا نقصان ہونا چاہیے تھا مگر نقصان ایک بے گناہ انسان کا ہو گیا جو بے چارہ ہوٹل کا ملازم ہے۔"

کیٹی سوچ میں پڑ گئی:

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو ناگ! میرا خیال ہے میں اس کے پاس جا کر پتہ کرتی ہوں کہ وہ کس حال میں ہے۔"

ناگ نے ہاتھ باندھ کر کہا:

"خدا کے لیے وہاں کسی ملک کی وزیر اعظم یا مہارانی بن کر نہ جانا۔ لیکن تمہارے پاس بیس ہزار روپے اسے دینے کو ہیں؟ چاہیے تو یہ کہ تم اسے بیس ہزار روپے جا کر واپس کر دو۔ ویسے ملاقات کرنے کا کیا فائدہ ہے؟"

کیٹی نے کہا:

"میرے پاس تو دس پندرہ روپے ہوں گے۔"

ناگ خاموش ہو گیا کہنے لگا:

"روپوں کا بندوبست میں کر لیتا ہوں۔ جب روپے پیدا ہو جائیں تو پھر ایسا کریں گے کہ تم یہاں جا کر مینجر کے کمرے میں بیس ہزار روپوں کا تھیلا رکھ کر ساتھ رقعہ چھوڑ آئیں گے کہ یہ روپے ہم نے ادھار لیے تھے۔ اب اسے واپس کیے جا رہے ہیں۔"

ناگ نے کہا:

"وہی ہمارے لیے مقبرہ جہانگیر لاہور کی بہترین جگہ ہے۔ وہاں کوئی تنگ نہیں کرتا۔ اپنا آرام سے پڑے رہیں گے جب تک کہ عنبر یہاں واپس نہیں

آ جاتا۔"

کیٹی کہنے لگی:

"لیکن ہم ہلٹن میں جا کر بھی رہ سکتے ہیں۔ میں کوئی دوسری شکل اختیار کر لوں گی۔"

ناگ بولا:

"تم تو کر لو گی مگر وہ مجھے پہچان لیں گے۔ میں کسی جانور کی شکل تو اختیار کر سکتا ہوں لیکن کسی دوسرے انسان کی شکل اختیار کرنے کے لیے مجھے بڑے منتر پڑھنے اور بڑی بک بک کرنی پڑتی ہے۔ تم تو خوش قسمت ہو کہ چٹکی بجائی اور جو چاہا بن گئے اور میں کتا بلی بن کر تمہارے ساتھ ہلٹن ہوٹل میں رہنے کو تیار نہیں ہوں۔"

کیٹی کہنے لگی:

"تو گلبرگ کے کسی ہوٹل میں رہ لیتے ہیں۔ وہاں تمہیں کوئی نہیں پہچانے گا۔ میرا مطلب ہے کہ مقبرہ جہانگیر ایک ویران جگہ ہے وہاں کیا کریں گے جا کر۔"

ناگ کچھ دیر غور کرنے کے بعد گلبرگ کے کسی ہوٹل میں رہائش اختیار کرنے پر راضی ہو گیا کہنے لگا:

"میرا خیال ہے کہ تم اپنی اسی اصلی زنانہ شکل میں ہی رہنا۔ میں وہاں کہہ دوں گا کہ میں اپنی بیوی کے ساتھ کراچی سے کاروبار کے سلسلے میں آیا ہوں۔"

"بالکل ٹھیک ہے۔ اب روپوں کا انتظام کرو۔"

"ابھی کرتا ہوں۔"

ناگ نے آنکھیں بند کر کے منتر پڑھا اور قبرستان میں رہنے والے ایک پرانے بوڑھے سانپ کو بلایا۔ اس سانپ کی مونچھوں کے دو چار بال تھے جو بڑھاپے کی وجہ سے سفید ہو گئے تھے۔ اس نے آتے ہی ناگ کی خدمت میں تعظیم پیش کی اور ادب سے سر جھکا کر بلانے کی وجہ پوچھی۔ ناگ نے کہا کہ ہمیں یہاں کوئی دفن شدہ خزانہ ہے تو اس میں سے ایک دو ہیرے موتی یا سونا لا دو۔ بوڑھے سانپ نے بڑے ادب سے کہا:

"عظیم ناگ دیوتا! یہاں صدیوں سے سوائے مردہ لاشوں کے اور کوئی شے دفن نہیں کی گئی۔ ایک ایک قبر میں پچاس پچاس سو سو مردے دفن کیے گئے ہیں۔ یہاں خزانہ کہاں سے ملے گا؟"

ناگ نے غصے سے کہا:

"تم بہت بولتے ہو۔ بک بک بند کرو اور جہاں

کہیں بھی کوئی خزانہ دفن ہو وہاں سے ہمارے لیے کوئی موتی یا سونے کی کوئی چیز لے کر آ جاؤ۔"

"جو حکم سرکار! ابھی جاتا ہوں۔"

اور بوڑھا سانپ قبروں میں ایک طرف چلا گیا۔ بیچارہ بوڑھا سانپ سوچ رہا تھا کہ ناگ دیوتا نے مجھے ایک ایسے کام پر لگا دیا ہے جو میرے بس ہی نہیں ہے۔ بھلا یہاں سوائے مُردوں کے زمین کے اندر اور کچھ نہیں ہے اور مردے بھی ایسے ہیں کہ ان کی ہڈیاں بھی باقی نہیں رہیں۔ اب میں کسی مُردے سے سو دو سو روپے ادھار تو نہیں مانگ سکتا۔ اچانک بوڑھے سانپ کو خیال آیا کہ قبرستان میں ایک ایسا ٹیلہ ہے جہاں آج سے چھ سات سو برس پہلے ایک قبیلہ اپنے مردوں کو دفن کرتے وقت ساتھ کچھ پیسے اور اشرفیاں بھی دفن کر دیا کرتا تھا۔ بوڑھا سانپ اس ٹیلے کی طرف مڑ گیا۔

تھوڑی دیر بعد بوڑھا سانپ ناگ کے پاس واپس آیا تو اس کے منہ میں سونے کی ایک سرخ اشرفی دبی ہوئی تھی۔ اشرفی اس نے ناگ کی خدمت میں پیش کر دی۔ ناگ نے لے اٹھا کر غور سے دیکھا۔ کیٹی کو دکھایا اور سانپ کو واپس بھیج دیا۔

"یہ کافی پرانی اشرفی ہے کیٹی۔ سونا بالکل خالص ہے۔ آج کل اس قدر خالص سونا کہیں نہیں ہوتا۔ چلو اسے بازار چل کر فروخت کر کے روپیہ حاصل کرتے ہیں اور پھر میں ہلٹن ہوٹل کے مینجر کو اس کی امانت واپس کر آؤں گا۔"

دوپہر کا وقت تھا۔ ناگ اور کیٹی مرنگ کے ایک بازار سنار کی دکان پر آ گئے۔ یہ کافی بڑی دکان تھی۔ ناگ نے دکان دار کو خالص سونے کی اشرفی دکھائی تو ہوشیار دکاندار فوراً سمجھ گیا کہ اشرفی بہت پرانے زمانے کی ہے اور سونے کے علاوہ اس کے ایک نوادر ہونے کی حیثیت سے بہت قیمت ہے اور وہ اسے حکومت کے ساتھ یا کراچی کے کسی ایجنٹ کے پاس ستر اسی ہزار روپے کے عوض فروخت کر سکتا ہے۔ چنانچہ اس نے ناگ اور کیٹی کو پچیس ہزار روپے پیش کیے جو انہوں نے قبول کر لیے۔ بیس ہزار روپے ناگ مینجر کے کمرے میں جا کر اس کی تجوری میں تالہ کھول کر رکھ کر دوبارا تالہ لگا کر واپس آ گیا۔ ساتھ ایک پرچہ بھی رکھ دیا جس پر لکھ دیا کہ یہ رانی گھانسی دیوی کی طرف سے قرض کی رقم کی واپسی ہے۔ پھر وہ دونوں گلبرگ کے ہوٹل میں ایک ڈبل بیڈ کمرہ لے کر آتش دان کے سامنے بیٹھ

کر کافی پینے لگے۔ ہوٹل کا کمرہ ائرکنڈیشنڈ تھا۔

ناگ نے کہا:

"کیٹی! میرا جی تھوڑی دیر آرام کرنے کو چاہتا ہے اور پھر آج رات کو مجھے قبرستان عنبر کو دیکھنے بھی جانا ہے۔ کیا خیال ہے۔ میں تھوڑی دیر آرام کر لوں؟"

کیٹی کہنے لگی:

"ضرور آرام کر لو۔ مگر تم نے کبھی آرام کیا نہیں۔"

"ہاں" ناگ بولا: "مگر آج کی ماڈرن دنیا میں رہ کر میرے اندر بھی ملاوٹ ہو گئی ہے اور آرام کرنے کو جی چاہنے لگا ہے۔"

کیٹی نے کہا:

"تم آرام کرو۔ میں ذرا شہر کی سیر کو جاتی ہوں۔"

ناگ نے کہا:

"خدا کے لیے کوئی شرارت نہ کرنا۔ آرام آرام سے جانا اور خاموشی سے سیر کر کے واپس آ جانا۔"

کیٹی کہنے لگی:

"فکر نہ کرو ناگ بھیا! میں کوئی شرارت نہیں کروں گی۔ روپے الماری میں ہیں ذرا ان کا خیال رکھنا۔"

ناگ نے چابی سرہانے کے نیچے دکھا کر کہا:

"اس ملک کے لوگوں کا کوئی اعتبار نہیں مجھے تو نیک آدمی چھوڑ کر اس ملک کے سارے آدمی چور لگتے ہیں۔ فکر نہ کرو۔ چور آیا تو اپنی لاش لے ہی واپس جائے گا۔"

ناگ اثر بدل کر بستر پر آرام کرنے لگا اور کیٹی ہوٹل کی سیڑھیاں اتر کر نیچے بازار میں آگئی۔ دوپہر کے تین بج رہے تھے۔ کیٹی شلوار قمیض میں ہی تھی۔ اس نے بازار سے دن کے وقت دو نئے جوڑے خریدے تھے۔ اس وقت وہ نیا جوڑا پہنے ہوئے تھی اور آنکھوں پر سیاہ چشمہ لگا تھا تاکہ اس کی چوکور آنکھیں چھپی رہیں۔ اس نے چوک میں سے ٹیکسی لی اور کوٹ لکھپت کی نئی آبادیوں کو دیکھنے کے لیے روانہ ہوگئی۔ یہاں بڑی شاندار کوٹھیاں بن رہی تھیں۔ آبادی دُور دُور تک پھیل گئی تھی۔

کیٹی نے ایک جگہ عورتوں کو روتے ہوئے دیکھا۔ وہ ایک بہت بڑی لمبی سی عمارت کے باہر درخت کے نیچے بیٹھی تھیں۔ ایک بوڑھی عورت تھی۔ دو جوان لڑکیاں تھیں۔ اور کچھ بچے اور دوسرے لوگ تھے۔ لڑکیاں اور بوڑھی عورتوں کی آنکھوں سے آنسو نہ تھمتے تھے۔ دوسرے لوگ

بھی غم زدہ تھے۔

کیٹی نے ڈرائیور سے پوچھا:

"یہ لوگ کیوں رو رہے ہیں؟"

ڈرائیور نے کہا:

"بیگم صاحبہ یہ آخری ملاقات والے ہیں۔"

"آخری ملاقات والے سے کیا مطلب ہے تمہارا؟"

ڈرائیور بولا:

"بیگم صاحبہ ان لوگوں کے کسی آدمی کو صبح یہاں پھانسی دی جانے والی ہے اور یہ اس سے آخری ملاقات کرنے آئے ہیں۔"

"کیا یہ پھانسی گھر ہے؟" کیٹی نے پوچھا:

ڈرائیور بولا:

"ہاں بیگم صاحبہ۔ یہ جیل ہے اور پھانسی گھر اس جیل کے اندر ہی ہے۔"

"گاڑی روکو۔"

ڈرائیور نے وہیں گاڑی روک دی۔ کیٹی نے اسے کرایہ دے کر واپس بھیج دیا اور خود آہستہ آہستہ چلتی ان عورتوں کے پاس آگئی جو آنسو بہا رہی تھیں کیٹی ان لوگوں کے قریب ہی جا کر گھاس پر بیٹھ گئی جیسے وہ بھی جیل میں کسی سے

ملاقات کرنے آئی ہے۔ کیٹی نے اس ٹولی میں سے ایک لڑکی سے باتیں شروع کر دیں۔ اس لڑکی کا رو رو کر گلا بیٹھ گیا تھا۔ اس نے بتایا کہ:

"میرے بھائی کو صبح پھانسی ملنے والی ہے۔ ہم دو بہنیں ہیں۔ وہ ہماری ماں ہے۔ سامنے میرے ماموں ہیں۔ ہمارا اکلوتا بھائی ہے۔ اس نے خون نہیں کیا۔ اسے زبردستی دشمنی کی وجہ پر مقدمے میں ڈال دیا گیا تھا۔ ہم غریب لوگ ہیں۔ ہمارے پاس وکیل کو دینے کے لیے دولت نہیں تھی۔ ہم مقدمہ ہار گئے اور میرے ویر، میرے بھائی کو پھانسی کی سزا ہو گئی۔ آج اس کی ہم سے آخری ملاقات ہے۔"

یہ کہہ کر بے چاری دکھی بہن پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اس کی دوسری بہن نے آ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا:

"نہ رو میری بہن — نہ رو — ابھی ہمارا بھائی آ رہا ہے۔ اسے دولہا بنانا ہے۔ اسے پھولوں کے ہار ڈالنے ہیں۔ آج رات اس کی شادی ہو رہی ہے ناں۔ اس کی ڈولی آئے گی آج رات۔"

اور پھر دونوں بہنوں کی چیخیں نکل گئیں۔ اس کی ماں کی

ہچکی بندھ گئی۔ یہ دردناک منظر دیکھ کر کیٹی کا دل ہل گیا اور اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ ان دکھی بہنوں اور ماں کی مدد کرے گی۔

اتنے میں سپاہی نے اعلان کیا کہ ملاقات لگ گئی ہے۔ آ جاؤ۔ یہ سن کر یہ عورتیں اور مرد روتی پیٹتی اس برآمدے کی طرف چلی گئیں جہاں لوہے کے جالی دار جنگلے کے پیچھے ایک بے حد اداس نوجوان قیدیوں کے لباس میں چپ چاپ بیٹھا تھا۔ اس کی آنکھیں پھٹی پھٹی سی تھیں اور چہرے کا رنگ موت کے خوف سے زرد ہو رہا تھا۔ یہی وہ نوجوان تھا جو ان بہنوں کا اکیلا بھائی اور بوڑھی ماں کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اور جس کو صبح صبح پھانسی ملنے والی تھی۔ اس کی رحم کی اپیل بھی نامنظور ہو گئی تھی۔ اس کو دیکھتے ہی ماں اور بہنوں نے بین کرنے شروع کر دیے۔ ان کی دردناک چیخوں نے دیواریں ہلا دیں۔ وہاں کوئی ایسا نہیں تھا جس کی آنکھ نہ بھر آئی ہو۔ کیٹی کی آنکھوں میں بھی شاید زندگی میں پہلی بار آنسو آ گئے۔ وہ ان کے قریب ہی کھڑی تھی اور دوسرے لوگوں پر یہ ظاہر کر رہی تھی کہ وہ ان کی رشتے دار ہے۔ جتنی دیر آخری ملاقات ہوتی رہی بہنیں چیخیں مارتی اور بین کرتی رہیں اور ماں اپنی ویران

آنکھوں سے اپنے جگر کے ٹکڑے، اپنے دل کے ٹکڑے کو تکتی رہی اور ہاتھ اٹھا اٹھا کر دعا مانگتی رہی۔ وہ اپنے بیٹے کا آخری دیدار کر رہی تھی۔ وہ اس کا آخری بار منہ بھی نہیں چوم رہی تھی۔ جس لڑکے کو وہ سامنے غم کی تصویر بنا بیٹھا دیکھ رہی تھی۔ اس کی صبح اس نے لاش لے کر جانی تھی۔

آخری ملاقات کا وقت ختم ہو گیا۔ وہاں ایسا کہرام مچا۔ ایسی چیخ و پکار مچی کر جیسے کسی جوان لڑکے کا جنازہ اٹھ رہا ہو۔ کیٹی تو وہاں سے پرے ہٹ گئی۔ اس سے یہ دل پھاڑ دینے والا منظر دیکھا نہیں جا رہا تھا۔ لڑکے کو سپاہی اٹھا کر زبردستی اندر لے گئے اور ماں اور بہنیں ہاتھ پھیلائے۔ بین کرتی رہ گئیں۔ اب ان کو صبح اپنے بھائی اور اپنے بیٹے کی لاش ہی ملنی تھی۔ ماں کو غش آگیا۔ بہنیں پچھاڑے کھانے لگیں ان کے رشتے داروں نے بڑی مشکل سے انہیں سنبھالا اور تانگے میں ڈال کر واپس گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔

کیٹی نے اس لڑکے کی شکل بڑے غور سے دیکھ لی تھی جس کو صبح پھانسی ملنے والی تھی اور اس کی شکل کو دل میں بٹھا لیا تھا۔ کیٹی نے بھی تانگہ کرایہ اور ان لوگوں

کے پیچھے پیچھے روانہ ہو گئی۔ یہ لوگ شہر سے باہر کھیتی کے کنارے ایک مکان میں اتر گئے۔ تھوڑی دیر بعد کیٹی بھی ان کے مکان میں داخل ہو گئی۔ ایک بہن سے تو اس نے دوستی پیدا کر ہی لی تھی۔ دونوں بہنوں کے رو رو کر گلے خشک ہو گئے تھے۔ رشتے دار انہیں تسلی دے رہے تھے ماں کو بار بار غش آ جاتا تھا۔

کیٹی نے جس لڑکی سے بات چیت کی تھی اسے بلا کر کہا

"بہن! ذرا الگ ہو کر میری ایک بات سنو گی؟"

لڑکی نے روتے ہوئے کہا:

"بہن اب کیا باتیں سننے کو رہ گئی ہیں جو کہنا ہے یہیں کہہ دو۔ صبح میرے بھائی کی لاش آ رہی ہے۔ میرے بھائی کی برات آ رہی ہے۔"

اور وہ چیخیں مار مار کر رونے لگی۔ کیٹی نے ایک دو سیکنڈ انتظار کیا۔ جب لڑکی کا رونا تھوڑا کم ہوا تو کیٹی نے کہا:

"مجھے تم سے بڑی ضروری بات کرنی ہے بہن! ذرا اس طرف کمرے میں آ جاؤ۔"

لڑکی بے چاری آنسو بہاتی۔ سر کو غم کی وجہ سے ادھر ادھر مارتی کیٹی کے ساتھ دوسرے کمرے میں آ کر زمین پر

ہی بیٹھ گئی۔

کیٹی نے آہستہ سے کہا:

میں تمہارے بھائی کو بچا سکتی ہوں۔

یہ سن کر لڑکی کی آنکھیں کھلی رہ گئیں۔ وہ کیٹی کو یوں دیکھ رہی تھی جیسے کیٹی نے اسے زندگی کی سب سے بڑی خوش خبری سُنا دی ہو۔

یہ — یہ تم کیا کہہ رہی ہو بہن! اب تو کچھ نہیں ہو سکتا۔

کیٹی نے کہا:

خدا جو چاہے کر سکتا ہے۔ میری بات غور سے سنو۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ تمہارا بھائی زندہ سلامت آدھی رات کے بعد یہاں تمہارے پاس آ جائے گا۔ تم ایسا کرنا کہ یہاں سے کسی دوسرے شہر جانے کے لیے بالکل تیار رہنا۔ جونہی میرا خاص آدمی تمہارے بھائی کو لے کر آئے تم اسے ساتھ لے کر دوسری بہن اور ماں کے ساتھ یہاں سے کسی بھی دوسرے شہر چلی جانا۔ خبردار اس راز کا کسی دوسرے کو ہرگز علم نہیں ہونا چاہیے۔ کسی ہمسائے کو بھی معلوم نہیں ہونا چاہیے کہ تمہارا بھائی زندہ سلامت واپس آگیا ہے۔

لڑکی کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ جلدی سے دوسری بہن ماں اور بڑے تایا جان کو لے آئی۔ کیٹی نے سب کے سامنے وہی بات دہرائی کہ ان کا لڑکا جسے پھانسی نے والی زندہ سلامت ان کے پاس واپس آ جائے گا۔

اب تم لوگوں کا کام یہ ہے کہ ارد گرد ہمسایوں میں کسی کو ذرا بھی خبر نہ ہو کہ تمہارا بیٹا زندہ واپس آگیا ہے۔ تم تھوڑا بہت سامان باندھ کر بالکل تیار رہنا جب لڑکا واپس گھر آ جائے تو اس کا منہ سر چھپا دینا اور اسے ساتھ لے کر فوراً یہاں سے چلے جانا کسی دوسرے شہر جا کر نئی زندگی شروع کرنا بلکہ اگر تم لوگوں کا کوئی رشتے دار دبئی کویت گیا ہوا ہو یا تم خود فوراً جا سکو تو لڑکے کو لے کر دبئی یا کویت چلے ہی جانا اور باقی زندگی سکون سے گذارنا۔

تایا جان [illegible] نے کہا:

مگر بیٹی یہ [illegible] کیسے ممکن ہے؟

کیٹی نے [illegible] کہا:

یہ جب [illegible] کا لڑکا زندہ واپس گھر آئے گا تو خود بخود پتہ [illegible] چل جائے گا کہ یہ بات ممکن تھی

وہ آج آدھی رات کے بعد کسی بھی وقت آ سکتا ہے۔ آپ تیار رہیں۔ اچھا میں جاتی ہوں۔ اب آپ اسی طرح رونا دھونا شروع کر دیں تاکہ ہمسایوں کو شک نہ پڑ جائے۔"

لڑکے کی بہن نے کہا:

"خدا تمہیں خوش رکھے۔ مگر یقین نہیں آتا۔"

اور دونوں بہنیں رونے لگ پڑیں۔ کیٹی نے انہیں گلے لگا لیا اور آہستہ سے کہا:

"بہن فکر نہ کرو۔ تمہارا بھائی پھانسی نہیں چڑھے گا۔"

جاتے جاتے کیٹی رک گئی اور گھر کے بزرگ تایا جان کو مخاطب کر کے کہا:

"ایک اور بات یاد رکھیں۔ جیل میں سب کچھ وہی ہو گا جو ہوا کرتا ہے۔ آپ کے لڑکے کو پھانسی دے دیں گے۔ صبح آپ کو لاش بھی مل جائے گی اخباروں میں خبر بھی چھپ جائے گی کہ آپ کے لڑکے کو رات جیل میں پھانسی دے دی گئی۔ آپ بیٹے کی لاش کو دفن کر دیں سب کے سامنے بلکہ بہتر یہی ہے کہ لڑکے کو اس کا تایا لے کر راتوں رات یہاں سے نکل جائے۔ آپ لوگ لڑکے کی

لاش صبح وصول کر کے اسے قبرستان میں دفن کرنے کے بعد تایا جان اور اپنے لڑکے کے پاس چلی جائیں۔"

کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ جب ان کے لڑکے کی لاش بھی آ جائے گی تو ان کا لڑکا آدھی رات کو ان کے پاس کہاں سے آئے گا۔

کیٹی نے کہا:

"یہ باتیں آپ کی سمجھ سے باہر ہیں۔ بہرحال آپ آج آدھی رات کے وقت اپنے لڑکے کے استقبال کے لیے تیار رہیں اور تایا جان اسے لے کر یہاں رہے تو معاملہ خراب ہو سکتا ہے۔"

ماں نے کہا:

"ہم بیٹے کو فوراً روانہ کر دیں گے۔"

پھر روتے ہوئے کہا:

"بیٹی یقین نہیں آتا۔"

"آج آدھی رات کو آپ کو یقین آ جائے گا ماں جی۔"

اتنا کہہ کر کیٹی باہر چلی گئی۔ جتنی دیر وہ وہاں بیٹھی باتیں کرتی رہی اس نے اپنا کالا چشمہ نہیں اتارا تھا۔ یہاں سے وہ سیدھی ناگ کے پاس گئی اور اسے ساری بات سمجھائی

ناگ نے کہا:

"اپنی شکل چٹکی بجا کر تبدیل کرنے کا یہ تم بہترین فائدہ اٹھا رہی ہو۔"

کیٹی نے کہا:

"میں اس لڑکے کی شکل میں پھانسی کے تختے پر چڑھ جاؤں گی۔ تمہارا کام یہ ہے کہ میرے ساتھ جیل کی کوٹھڑی میں چلنا ہے اور اس پھانسی پانے والے لڑکے کو کسی نہ کسی طرح جیل سے رات کے اندھیرے میں باہر نکال کر اس کے گھر پہنچا دینا ہے مگر ایسے کہ لڑائی جھگڑا بالکل نہ ہو۔"

ناگ نے کہا:

"ایسا ہی ہوگا۔ تم کوئی فکر نہ کرو۔ اس لڑکے کا نام کیا ہے؟"

کیٹی نے کہا:

"ریاض احمد — بارویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ بس دشمنی میں پھنس گیا۔ بری صحبت کا نتیجہ ہمیشہ برا ہوتا ہے۔"

ناگ نے کہا:

"میں چڑیا بنتا ہوں۔ تم بھی چٹکی بجا کر چڑیا بنو تا کہ

ہم اڑتے اڑتے جیل کے اندر پھانسی کی کوٹھڑی تک پہنچ جائیں جہاں بدنصیب لیکن اب خوش نصیب ریاض احمد موت کی گھڑیاں گن رہا ہے۔"

کیٹی نے چٹکی بجائی اور ننھی سی کالی چڑیا بن گئی۔ ناگ نے سانس کھینچا اور ننھی چڑیا بن گیا۔ دونوں ایک ساتھ اڑے اور جیل خانے کی طرف پرواز کر گئے۔

○

کیٹی پھانسی کے تختے پر

ناگ اور کیٹی چڑیا کی شکلوں میں جیل کے اندر آ گئے۔

کیٹی سیاہ چڑیا کی شکل میں آگے آگے تھی اور ناگ اس کے پیچھے اُڑ رہا تھا۔ اڑتے اڑتے کیٹی نے ناگ کو بتایا:

"میں نے ریاض احمد کی شکل دیکھ رکھی ہے میں اسے پہچان لوں گی۔"

ناگ نے کہا:

"جن مجرموں کو پھانسی دی جانے والی ہوتی ہے انہیں شام کو پھانسی کی خاص کوٹھڑی میں لے آتے ہیں۔"

کیٹی بولی:

"ابھی پتہ چل جاتا ہے۔"

اس نے جھک کر جیل خانے کے اندر بنی ہوئی ساری عمارتوں کا چکر لگایا۔ ایک جگہ چار کوٹھڑیاں ساتھ ساتھ بنی

ہوئی تھیں۔ ان کے آگے چھوٹا سا تنگ برآمدہ تھا۔ ہر کوٹھڑی پر لوہے کی سلاخوں والا دروازہ چڑھا جس پر لوہے کا تالا لگا تھا۔

کیٹی نے ناگ سے کہا:

"میرا خیال ہے وہ لڑکا ان کوٹھڑیوں میں سے کسی میں ہو گا۔"

اور وہ ان کوٹھڑیوں کے برآمدے کی دیوار پر آ کر بیٹھ گئی۔ ناگ بھی اس کے ساتھ ہی تھا۔ کیٹی نے دیوار پر چل کر دیکھا کہ چوتھی اور آخری کوٹھڑی میں وہ لڑکا سر جھکائے زمین پر بچھے ہوئے کمبل پر بیٹھا تھا جس کا نام ریاض احمد تھا اور جس کی تلاش میں کیٹی ناگ کو لے کر وہاں آئی تھی اور جسے صبح پھانسی ملنے والی تھی۔ کوٹھڑی کے باہر بڑا سخت پہرہ لگا تھا۔ دو سپاہی سلاخوں والے دروازے کے سامنے چل پھر کر پہرہ دے رہے تھے اور دو سپاہی برآمدے کے باہر کوٹھڑیوں کے اردگرد چل پھر کر گشت لگا رہے تھے۔

ناگ نے کہا:

"یہاں تو بڑا سخت پہرہ لگا ہے۔"

کیٹی نے کہا:

"ہاں ـــ لیکن اس لڑکے کو ہر حالت میں رات کے

تین بجے سے پہلے پہلے یہاں سے نکالنا ہے۔ کیوں کہ اسے صبح تین بجے پھانسی دے دی جائے گی۔"

اس وقت شام کے سائے گہرے ہو گئے تھے اور پھانسی پانے والے ریاض احمد کی کوٹھڑی میں بلب روشن تھا جس کی روشنی میں ریاض احمد سر جھکائے بیٹھا قرآن شریف پڑھ رہا تھا۔ اس کا چہرہ اترا ہوا تھا اور داڑھی کے بال بڑھ آئے تھے۔

ناگ نے کہا:

"بغیر کسی سے ٹکر لیے اور لڑائی جھگڑا کیے بغیر اسے یہاں سے نکالنا اتنا آسان کام نہیں ہے کیٹی — لیکن میں پوری کوشش کروں گا۔"

کیٹی نے کہا:

"میں تمہاری مدد کروں گی۔"

دونوں پھانسی کی کوٹھڑی کے سامنے والی برآمدے کی دیوار پر بیٹھے ایک دوسرے سے آہستہ آہستہ باتیں کرتے رہے۔ جب رات گہری ہو گئی اور جیل میں سوائے ان جگہوں کے جہاں جہاں بلب روشن تھے ہر طرف اندھیرا چھا گیا تو ناگ نے کہا:

"کیٹی! تم اسی جگہ دیوار پر رہنا۔ میں ادھر جا کر اپنا کام شروع کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر ناگ کالی چڑیا کے روپ میں جیل کی دوسری طرف اُڑ گیا۔ ادھر جیل کی دو منزلہ عمارت تھی جہاں جیل کے دفتر تھے۔ یہ دفتر رات ہونے کی وجہ سے بند تھے۔ ناگ اس بلڈنگ کے روشن دان میں سے اندر چلا گیا اور سانپ بن کر منہ سے ایسی چنگاریاں نکالیں کہ دفتر میں آگ لگ گئی۔ وہ اڑ کر روشن دان سے ہی واپس آ گیا۔ بلڈنگ میں سے دھواں نکلنے لگا اور پھر آگ کے شعلے بلند ہوئے تو جیل خانے میں ایک شور مچ گیا۔ ہر کوئی آگ بجھانے کی طرف لگ گیا۔ ایک افراتفری سی مچ گئی۔ ناگ کیٹی کے پاس آ کر بولا:

"اُدھر میں نے آگ لگا دی ہے۔ اب تم ان پہرے داروں کو اُدھر بھیجو۔"

کیٹی فوراً نیچے آ گئی اور دل میں چٹکی بجا کر اس نے جیل کے ہیڈ وارڈن کی شکل بدل لی جس کو اس نے آتے ہی جیل کے دفتر میں دیکھا تھا۔ پہرے داروں نے جو اچانک اپنے سامنے ہیڈ وارڈن کو دیکھا تو گھبرا سے گئے۔

ہیڈ وارڈن نے انہیں ڈانٹ کر کہا:

"کم بختو اُدھر جا کر آگ بجھانے میں مدد دو تم اِدھر کیا پہرہ دے رہے ہو۔ اِدھر میں پہرہ دیتا ہوں۔ چلو۔ بھاگو۔ جلدی کرو۔"

چاروں پہرے دار جدھر آگ لگی تھی اُدھر بھاگے اب کوٹھڑیوں کے آگے برآمدہ بالکل خالی تھا۔ باہر بھی کوئی پہرے دار نہیں تھا۔ آگ تیز ہو رہی تھی اور ہر کوئی آگ بجھانے میں لگا تھا۔ یہی وہ وقت تھا جب کیٹی اور ناگ کو اپنا کام کرنا تھا۔

پھانسی پانے والا نوجوان ریاض احمد اپنی کوٹھڑی میں اداس بیٹھا قرآن شریف پڑھ رہا تھا۔ پھر اس نے شور سنا تو قرآن شریف بند کر کے اسے چوم کر آنکھوں سے لگایا اونچی جگہ پر رکھا اور کوٹھڑی کی سلاخوں کے پاس آکر کھڑا ہو گیا کہ آگ کدھر لگی ہوئی ہے۔

اس وقت خلائی لڑکی کیٹی ہیڈ وارڈن کے روپ میں وہاں آئی اور ریاض احمد اسے دیکھ کر پیچھے ہٹ گیا۔ ہیڈ وارڈن نے جیب سے چابی نکال کر کوٹھڑی کھولنی چاہی، مگر چابی اس کی جیب میں نہیں تھی۔ چابی دفتر میں تھی۔ اب اگر وہ دفتر میں جائے تو وہاں اصلی ہیڈ وارڈن موجود ہو گا اور کیٹی کا بھانڈا پھوٹ جانے کا ڈر تھا۔ اس لیے کیٹی نے ہیڈ وارڈن ہی کی شکل میں ناگ سے جو دیوار پر بیٹھا تھا کہا:

"ناگ دروازہ کھول کر اسے لے جاؤ۔"

یہ اس نے جانوروں اور پرندوں کی زبان میں بات کی تھی۔ پھانسی پانے والا ریاض احمد اسے بالکل نہیں سمجھ سکا۔ ناگ دیوار پر سے نیچے اُتر آیا۔ اس نے دیوار کے پیچھے کھڑے ہو کر گہرا سانس لیا اور ایک بہت بڑے اُڑنے والے سیاہ پرندہ سیمرغ کی شکل بدل لی۔ دوسری تینوں کوٹھڑیاں خالی تھیں۔ جن کی وجہ سے ناگ اور کیٹی کا کام زیادہ آسان ہو گیا تھا۔ ریاض احمد نے جو ایک بہت بڑے کالے سیمرغ پرندے کو چونچ مار کر دروازے کا تالا توڑتے اور پھر دروازہ کھول کر اسے اپنی طرف بلاتے دیکھا تو ڈر کر پیچھے ہٹ گیا۔ ہیڈ وارڈن یعنی کیٹی نے اندر آکر ریاض احمد سے کہا:

"ریاض! جلدی سے اس سیمرغ کے اوپر سوار ہو جاؤ اور اس کی گردن پکڑ کر لیٹ جاؤ۔ جلدی کرو۔ وقت بہت کم ہے۔"

ریاض کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ کیٹی نے اسے زبردستی سیمرغ کے اوپر بٹھا دیا۔ سیمرغ جلدی سے باہر نکل کر برآمدے میں آ گیا۔ وہ اوپر کو اٹھا تو ریاض احمد نے

اس کی گردن کے پر پکڑ لیے اور اس کے اوپر لیٹ گیا۔ سیمرغ اندھیرے میں پھڑ پھڑاتا ہوا جیل کی دیوار کے باہر ٹالی (شیشم) کے درختوں کے اوپر سے ہوتا ہوا دور پیچھے کھیتوں کے پاس آ کر ایک جگہ اتر گیا۔ یہاں ناگ نے انسان کی شکل بدل لی۔ ریاض احمد خوف کے مارے تھر تھر کانپنے لگا۔

ناگ نے کہا:

"گھبراؤ بالکل نہیں۔ ہم جو کچھ کر رہے ہیں تمھاری جان بچانے کے لیے کر رہے ہیں۔ اب تم میرے ساتھ اپنے گھر اپنی ماں اور بہنوں کے پاس جا رہے ہو۔ جہاں وہ تمھاری راہ دیکھ رہی ہیں۔"

ریاض نے سہمے لہجے میں کہا:

"لیکن آپ کون ہیں۔ ہیڈ وارڈن صاحب آپ کے ساتھ ملے ہوئے ہیں کیا؟"

"تم یہی سمجھ لو۔ مگر کسی سے اس کا ساری زندگی ذکر نہ کرنا۔ تمھیں سب کچھ بعد میں سمجھا دیا جائے گا۔ اب آؤ میرے ساتھ۔"

ناگ نے ریاض احمد کی جیل کی قمیض اتروا کر اسے اپنی قمیض دے دی اور خود بنیان کے اوپر جیکٹ پہن لی۔

ناگ نے کہا:

"یہاں سے ہم رکشا لے کر تمھارے گھر جائیں گے۔"

ریاض احمد نے سر ہلا کر کہا کہ اچھا — ناگ اسے ساتھ لے کر کھیتوں میں سے باہر ایک سڑک پر نکل آیا جو آگے جا کر ریلوے لائن کے پھاٹک میں سے گذرتی تھی۔ یہاں ایک خالی رکشا کھڑا تھا۔ ناگ نے ریاض سے اس کے محلے کا نام پوچھ کر رکشے والے کو بتایا اور رکشا ریاض احمد کے گھر کی طرف دوڑنے لگا:

ادھر ناگ جب پھانسی پانے والے ریاض احمد کو لے کر جیل کی چار دیواری سے باہر نکل گیا تو کیٹی نے ہیڈ وارڈن کے روپ میں ہی دل میں ریاض احمد کی شکل کا تصور کیا اور چٹکی بجائی۔ وہ ہیڈ وارڈن سے ریاض احمد بن گئی۔ وہی بڑھی ہوئی داڑھی اور وہی دبلا پتلا جسم، کیٹی خاموشی سے زمین پر بچھے ہوئے کمبل پر بیٹھ گئی۔ آگ بجھانے والے انجنوں نے تھوڑی دیر بعد آگ پر قابو پا کر اسے بجھا دیا۔ پھانسی کی کوٹھڑی کے باہر پہرہ دینے والوں کو جب اصلی ہیڈ وارڈن نے وہاں آگ بجھاتے دیکھا تو غصے سے لال ہو کر بولا:

"ارے الو کے پٹھو تم یہاں آ گئے ہو تو ادھر

"پہرہ تمہاری ماں دے رہی ہے۔"

پہرے دار سپاہی ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے کہ ایک نے کہا:

"جناب آپ نے خود ہی تو ہمیں یہاں بھیجا تھا۔"

"ارے کس کافر نے تمہیں یہاں بھیجا تھا۔ میں تو اُدھر تمہاری طرف گیا ہی نہیں۔ چلو حرامیو! پھانسی گھر کی طرف چلو۔"

اور ہیڈ وارڈن خود ان کے ساتھ بھاگتا ہوا پھانسی کی کوٹھڑیوں کی طرف آ گیا جب اس نے صبح پھانسی پانے والے ریاض احمد کو اپنی کوٹھڑی میں دیوار کے ساتھ سر جھکائے ہوئے بیٹھے دیکھا تو اس کی جان میں جان آئی۔ اس نے پہرے داروں کو ڈانٹ کر کہا:

"اگر اب تم لوگوں نے یہ جگہ چھوڑی تو میں تمہیں مارشل لاء والوں کے حوالے کر دوں گا، سمجھے؟"

"جی حضور!"

ہیڈ وارڈن چلا گیا اور چاروں سپاہی وہاں گشت لگا کر پہرہ دینے لگے۔ کیٹی کوٹھڑی میں ریاض احمد کی شکل میں یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ اب اسے رات کے تین بجنے کا انتظار تھا جب اسے پھانسی دی جانے والی

ی اُدھر ناگ کا رکشہ اڑا جا رہا تھا۔

رات کے بارہ بجنے والے تھے جس محلے میں ریاض احمد کی ماں اور بہنوں کا مکان تھا۔ اس محلے میں گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ صرف ریاض احمد کے گھر کے ایک کمرے میں ہلکا سا بلب روشن تھا اور اس کی ماں اور دونوں بہنیں سجدے میں گر کر خدا سے اپنے بیٹے اور بھائی کی زندگی کی بھیک مانگ رہی تھیں۔ ریاض احمد کا تایا چھوٹے کمرے میں چارپائی پر بیٹھا بے چینی سے کسی کا انتظار کر رہا تھا۔ ے یقین بھی نہیں آ رہا تھا کہ سیاہ چشمے والی لڑکی ٹھیک کہہ گئی کہ آدھی رات سے پہلے پہلے ریاض احمد گھر واپس آ جائے گا اور یقین کرنے کو دل بھی چاہ رہا تھا۔ اچانک رکشے کی آواز سنائی دی جو گلی کے سرے پر آ کر رک گئی۔ گھر میں ماں اور دونوں بہنوں اور تایا جان کے کان کھڑے ہو گئے اور دل دھڑکنے لگے۔ یااللہ خیر! یااللہ خیر!

پھر گلی میں کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ چاپ ان کے مکان کے باہر آ کر رک گئی۔ دونوں بہنیں اور ں ایک دوسرے کو تکنے لگیں۔ ان کے دلوں میں ایک ی بات دھڑک رہی تھی۔

"کیا ہمارا لختِ جگر آ گیا ہے؟ کیا وہ پھانسی کے

پھندے سے بچ گیا ہے؟"

دروازے پر آہستہ سے دستک ہوئی۔ تایا، ماں، اور دونوں بہنیں دروازے کی طرف بھاگیں۔ سامنے ناگ کھڑا تھا۔ اس نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر سب کو خاموش رہنے کی ہدایت کی اور آہستہ سے کہا:

"اندر چلو۔"

کوٹھڑی میں آکر اس نے کہا:

"ریاض احمد میرے ساتھ ہے۔"

"کہاں ہے میرا لعل! میرے دل کا ٹکڑا؟" ماں نے کہا۔

"شی ـــ خدا کے لیے خاموش رہیں۔ کہیں بنا بنایا کھیل نہ بگڑ جائے۔ میں ریاض احمد کو لا رہا ہوں مگر خبردار کسی کی بھی آواز بلند نہ ہو؟"

اور ناگ جلدی سے گلی میں آ گیا۔ اندھیرے میں ریاض احمد اپنے مکان کی دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا تھا۔ ناگ نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ ریاض احمد مکان کے اندر داخل ہو گیا۔ ناگ نے دروازہ بند کر کے کنڈی لگا دی اور ریاض کو لے کر تیزی سے پچھلے کمرے میں آ گیا۔ ماں بہنوں اور تایا نے ریاض احمد کو زندہ اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھا تو خوشی سے ان کی چیخیں نکلتے نکلتے رہ گئیں۔ ناگ نے ہاتھ اٹھا کر کہا:

"خبردار! کسی کی آواز بلند نہ ہو۔"

ریاض احمد ماں اور بہنوں سے لپٹ گیا۔ وہ اس کو چومنے لگیں۔ ماں اپنے بیٹے کی بلائیں لے رہی تھی۔ بہنیں اپنے بھائی پر نثار ہوئی جا رہی تھیں۔ ان کا بھائی زندہ سلامت تھا۔ انہیں یقین آ گیا تھا کہ وہ ریاض احمد ہی ہے کوئی اور نہیں ہے۔

ناگ نے تایا جان سے پوچھا:

"کیا ریاض احمد کو یہاں سے نکال لے جانے کا انتظام ہو چکا ہے؟"

"ہاں" تایا نے کہا:

"میں نے ایک جیپ یہاں سے دور ایک جگہ کھڑی کی ہوئی ہے۔ اس کی چابی میرے پاس ہے میں ریاض کو راتوں رات یہاں سے نکال کر لنڈی کوتل کے غیر علاقے میں لے جاؤں گا۔ وہاں میرا ایک گہرا دوست رہتا ہے۔ دو دن کے بعد ریاض کی والدہ اور بہنیں بھی وہاں آ جائیں گی اور پھر ہم لوگ یہ ملک چھوڑ کر ایران چلے جائیں گے جہاں جا کر اپنی نئی زندگی شروع کریں گے۔"

ناگ نے کہا :

"تو پھر دیر نہ کریں اور ریاض کو لے جائیں ۔"

تایا جان نے اسی وقت ریاض کو دوسرے کپڑے پہنائے ۔ اس کے سر پر رومال باندھ کر اس کا حلیہ تھوڑا سا تبدیل کیا اور ماں اور بہنوں سے بڑی مشکل سے جُدا کر کے اسے مکان سے لے کر نکل گیا ۔ ناگ ریاض کی ماں اور بہنوں کو دوسرے کمرے میں لے گیا ۔ اس نے دروازہ بند کر دیا اور کہا :

"آپ لوگ خوش قسمت ہیں کہ خدا نے آپ کے بیٹے کو پھر سے نئی زندگی دی ہے ۔"

ریاض کی ایک بہن نے پوچھا :

"لیکن یہ سب کیسے ہو گیا ؟"

ناگ بولا :

"یہ بات آپ کی سمجھ میں نہیں آئے گی ۔ ابھی صبح آپ کو ایک ریاض احمد کی لاش لے جانے جیل خانے جانا ہو گا اور وہاں اسی طرح رونا اور ہچکیاں بھر کر بین کرنے ہوں گے جیسے آپ سچ مچ ریاض کی لاش لے رہی ہیں ۔"

ماں نے کہا :

"مگر جب ریاض احمد ۔ میرا بیٹا زندہ ہے تو وہ لاش کس کی ہو گی ؟"

دوسری بہن نے کہا :

"پھر کس ریاض احمد کو پھانسی دی جائے گی ؟"

ناگ نے کہا :

"آپ یہ سوال نہ کریں ۔ کیونکہ میں اس کا جو جواب دوں گا وہ آپ کی سمجھ میں نہیں آئے گا آپ اتنا یقین رکھیں کہ آپ کا بیٹا اور بھائی ریاض احمد پھانسی کے پھندے سے بچ گیا ہے ۔ وہ زندہ رہے گا ۔ اور جس ریاض احمد کو صبح تین بجے پھانسی دی جائے گی وہ آپ کا بیٹا نہیں ہو گا ۔ اگرچہ اس کی شکل ۔ وضع قطع ۔ ہر شے آپ کے بیٹے سے ملتی ہو گی ۔"

بہن نے کہا :

"یا اللہ ! یہ کیا معمہ ہے ؟"

دوسری بولی :

"اس کے بعد تو ہمارے بھائی کو کچھ نہیں ہو گا ؟"

"ہرگز نہیں ۔ پولیس کے ریکارڈ میں آپ کے بھائی کو پھانسی مل چکی ہو گی ۔ پھر ساری زندگی پولیس اس

کا نام نہیں لے گی اور آپ کا بھائی یہاں سے دور آپ کے ساتھ ہنسی خوشی زندگی بسر کر رہا ہو گا۔ اس سے زیادہ آپ کو اور کیا چاہیے؟"

"یا اللہ! تیرا شکر ہے۔"

اور ریاض احمد کی ماں سجدے میں گر گئی۔

ناگ نے کہا:

"صبح لاش لینے میں آپ کے ساتھ جاؤں گا۔ آپ یہی کہیں گے کہ میں آپ کا رشتے دار ہوں۔"

"ایسا ہی کہیں گے بھائی جان!" ایک لڑکی نے کہا،

جوں جوں رات گذر رہی تھی اور پھانسی کا وقت قریب آ رہا تھا۔ ماں اور بہنوں کی حالت عجیب ہو رہی تھی کبھی انہیں یقین آتا کہ ان کے بیٹے اور بھائی کو تھوڑی دیر بعد پھانسی کے "تختے" کی طرف لے جایا جائے گا اور کبھی انہیں محسوس ہوتا کہ ان کا بھائی موت کے پنجوں سے نکل کر بہت دور جا چکا ہے۔ ان کے دل ایک کش مکش میں مبتلا تھے۔ کبھی ان کے چہروں پر اطمینان آ جاتا اور کبھی ان کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے۔ ناگ انہیں کبھی کبھی تسلی دے دیتا تھا۔ ایک بار ریاض کی بہن نے ناگ سے پوچھا:

"بھائی جان آپ کہاں رہتے ہیں؟ کہاں کام کرتے ہیں؟"

ناگ نے کہا:

"عزیز بہن! یہ پوچھنے کا ابھی وقت نہیں ہے پھر کبھی بتاؤں گا۔"

جب ٹھیک رات کے اڑھائی بجے تو ناگ نے کیٹی کا تصور کیا کیوں کہ اسے معلوم تھا کہ اس وقت جس کو پھانسی دینی ہوتی ہے نہلایا جاتا ہے اور پھانسی کا سیاہ لباس پہنایا جاتا ہے۔

ناگ کا اندازہ ٹھیک تھا۔

کیٹی پھانسی کی کوٹھڑی میں ریاض کی شکل میں خاموش بیٹھی تھی اور چہرے پر مصنوعی افسردگی طاری کی ہوئی تھی کہ ٹھیک رات کے ڈھائی بجے جیل کا ہیڈ وارڈن اور چار ہٹے کٹے سپاہی داخل ہوئے انہوں نے کہا کہ غسل کر لو۔ ریاض نے پردہ تان کر غسل کیا۔ وارڈن اور جیل کے سپاہیوں نے اسے پھانسی کے کالے کپڑے پہنا دیئے۔

پھر ایک مولوی صاحب اور مجسٹریٹ اندر آ گئے۔

مجسٹریٹ نے کیٹی سے کہا:

"اگر تم نے کوئی وصیت لکھوانی ہے تو لکھوا سکتے ہو۔"

کیٹی نے جو ریاض احمد کی شکل میں پھانسی کے کالے کپڑے پہنے بیٹھی تھی کہا "نہیں مجھے کوئی وصیت نہیں کرنی ہے۔"

مولوی صاحب نے کہا:

"بیٹے! یہ تمہارا آخری وقت ہے ہاتھ بلند کرو اور خدا سے اپنے گناہوں کی بخشش کی دعا مانگو۔"

کیٹی کی سمجھ میں یہ سب کچھ بالکل نہیں آ رہا تھا۔ کیوں کہ وہ خلا کی رہنے والی تھی لیکن چونکہ اس وقت وہ ریاض احمد کی شکل میں تھی اس لیے یہ باتیں کچھ کچھ سمجھ رہی تھی۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر خدا سے اپنے گناہوں کی معافی اور بخشش کے لیے دُعا کی۔ پھر ایک ڈاکٹر آ گیا۔ اس نے کیٹی کا ڈاکٹری معائنہ کیا کہ وہ ٹھیک ٹھاک ہے۔ اس نے اعلان کیا کہ پھانسی پانے والا مجرم بالکل ٹھیک ہے۔ ایک سپاہی نے وارڈن کے اشارے پر آگے بڑھ کر کیٹی کے دونوں بازو رسی سے پیچھے باندھ دیئے اور اسے پھانسی کے تختے کی طرف چلنے کا اشارہ کیا۔ کیٹی چُپ چاپ ان کے ساتھ چل پڑی۔ وہ سر سے پاؤں تک ریاض احمد کی شکل میں تھی اور اسے دیکھ کر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ ریاض احمد نہیں ہے اور اصلی ریاض احمد اس وقت جیپ میں اپنے تایا جان کے ساتھ بیٹھا

وہاں سے سینکڑوں میل دُور پشاور کی طرف نکل چکا تھا۔

پھانسی گھر وہاں سے چند قدموں کے فاصلے پر تھا۔ کیٹی نے دیکھا کہ سامنے ایک اونچا چبوترہ ہے جس پر لوہے کے گارڈر کھڑے ہیں۔ گارڈر پر سفید رنگ کا رسّہ لٹک رہا ہے جس کے آگے گلے میں ڈالنے والا پھندا بنا ہوا ہے۔ اس کے پاس ہی ایک جلّاد آنکھوں پر نقاب ڈالے کھڑا ہے۔

سپرنٹنڈنٹ، ڈاکٹر اور مجسٹریٹ کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ سپاہی کیٹی کو لے کر چبوترے کے پاس آ گئے۔

کیٹی نے کہا:

"میں خود اوپر جاؤں گا۔"

سپاہی ریاض احمد کی دلیری پر حیران تھے کہ وہ بڑی بہادری سے چل رہا تھا اور اب خود سیڑھیاں چڑھ کر چبوترے پر جانا چاہتا تھا۔ وہ اس کے پیچھے اور دونوں پہلوؤں پر ہو گئے۔ ریاض احمد یعنی کیٹی بڑے آرام سے سیڑھیاں چڑھنے لگی اور چبوترے پر پہنچ کر اس جگہ لوہے کے تختے پر کھڑی ہو گئی جہاں اوپر پھانسی کا پھندا لٹک رہا تھا۔ دو قدم پر ایک لیور یعنی ہتھی لگی تھی جس کے کھینچ دینے سے تختے کو کیٹی کے پاؤں سے کھسک جانا

تھا اور اسے نیچے کنوئیں میں لٹک کر مرجانا تھا لیکن کیٹی کو معلوم تھا کہ وہ ان لوگوں کے لیے ریاض احمد کے روپ میں مرجائے گی مگر اصل میں زندہ رہے گی۔ کیوں کہ اس نے اپنی پوری خلائی طاقت کو اپنے جسم پر طاری کر لیا تھا۔ وہ تختے پر پاؤں جوڑ کر کھڑی ہو گئی۔

وارڈن کے اشارے پر جلاد نے جلدی سے آگے بڑھ کر کیٹی کے منہ پر کالا نقاب چڑھایا اور اس کی گردن میں رسہ ڈال کر پھندے کو کس دیا اور خود پیچھے ہٹ کر لیور کے پاس کھڑا ہو گیا۔ ٹھیک تین بجے رات یعنی دس سیکنڈ بعد جیل کے سپرنٹنڈنٹ نے اشارہ کیا۔ اور جلاد نے لیور یعنی ہتھی کو پیچھے کھینچ دیا۔ ہتھی کے کھینچتے ہی کیٹی کے پاؤں کے نیچے سے تختہ کھسک گیا۔ اور وہ زور سے نیچے کنوئیں میں گر گئی۔ یا گر گیا۔ کیونکہ وہ ریاض احمد کی شکل میں تھی۔

وہ دو منٹ تک نیچے کنوئیں میں لٹکتی رہی۔ پھر ڈاکٹر نے نیچے جا کر کیٹی کے دل پر ٹوٹی لگائی اور اعلان کر دیا کہ ریاض احمد ملزم مر چکا ہے۔ اسی وقت اس کی لاش اتار کر چارپائی پر ڈال دی گئی اور۔ اسے وہاں سے اٹھا

کر جیل کے برآمدے میں ڈال دیا گیا تاکہ صبح اس کے لواحقین آ کر وہاں سے لے جائیں۔ چار بجنے میں ابھی پچیس منٹ باقی تھے اور پچھلی رات کا اندھیرا چھایا ہوا تھا کہ ناگ، ریاض احمد کی ماں اور بہنیں ریاض احمد کی لاش لینے وہاں آ گئے۔ وہ سب رو رہی ہیں اور بین کر رہی تھیں۔ کیوں کہ ان کی آنکھوں کے سامنے ریاض احمد کی لاش پڑی تھی۔ ناگ نے لاش سنبھالی۔ اسے ویگن میں رکھوایا اور ان کے گھر لے آیا۔ وہاں بھی ایک بار پھر کہرام مچ گیا۔ محلے کے لوگ اور عورتیں آ گئیں۔ ان سب کو یہی معلوم تھا کہ ریاض کی لاش آ گئی ہے۔ ریاض کے دوسرے رشتے دار بھی وہاں پہنچ گئے تھے۔ ناگ نے ریاض کی ماں سے کہا کہ لاش کو جلدی دفنا دیا جانا چاہیے۔ چنانچہ تھوڑی ہی دیر بعد کیٹی کا جنازہ قبرستان پہنچا دیا گیا اور اسے قبر میں اتار دیا گیا۔ سب لوگ واپس آ گئے۔ ناگ بھی ان کے ساتھ واپس آ گیا مگر وہ راستے سے الگ ہو کر دوبارا قبرستان آیا اور کیٹی کی قبر کے پاس جا کر بیٹھ گیا اور ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ کیوں کہ اسے یقین تھا کہ کیٹی کسی نہ کسی روپ میں قبر سے باہر آ چکی ہو گی۔

"خدا کا شکر ہے تمہاری پھر سے صورت دیکھی۔" ناگ

نے کہا۔

کیٹی مسکرا رہی تھی۔

ناگ نے کہا:

"تم قبر میں سے کس طرح باہر نکلیں؟"

کیٹی نے کہا:

"سانپ کی شکل میں ـــ میں مری تھوڑی تھی۔ صرف میرا دل بند ہو گیا تھا۔ پھر میں نے سانپ کی شکل آنکھوں میں لا کر چٹکی بجائی اور سانپ بن کر قبر میں سے باہر آ گئی۔"

ناگ نے کہا:

"تم نے ایک بہت بڑا معرکہ انجام دیا ہے کیٹی!"

کیٹی نے پوچھا:

"کیا ریاض احمد اپنے تایا کے ساتھ چلا گیا تھا؟"

"ہاں ـــ وہ راتوں رات اسے ساتھ لے کر لنڈی کوتل کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔"

کیٹی نے کہا:

"اپنے بھائی اور بیٹے کو دیکھ کر ریاض احمد کی ماں اور بہنیں تو بہت خوش ہوئی ہوں گی۔"

ناگ نے کہا:

"ان کی خوشی کا تو کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ اگر میں انہیں نہ روکتا تو خوشی سے ان کی چیخیں نکل جاتیں۔"

کیٹی خوش ہوئی کہنے لگی:

"خدا کا شکر ہے کہ میں اپنے ایک انسانی مشن میں کامیاب ہوئی اور ایک بے گناہ انسان کو جس نے قتل نہیں کیا تھا پھانسی کے پھندے سے بچا لیا اور اسے اس کی ماں اور بہنوں کے پاس پہنچا دیا۔"

ناگ نے کہا:

"اب کیا پروگرام ہے؟"

کیٹی بولی:

"تم رات قبرستان جا کر عنبر کا پتہ نہیں معلوم کر سکے، چلو قبرستان چل کر دیکھتے ہیں کہیں عنبر واپس نہ آ گیا ہو۔"

"چلو۔"

اس وقت دن کے گیارہ بج رہے تھے۔ دھوپ نکلی ہوئی تھی اور سڑکوں پر ٹریفک جا رہی تھی۔ موسم میں گرمی بڑی معمولی سی تھی۔

کیٹی نے پوچھا :

"تمہارے پاس پاکستانی کرنسی ہے نا ؟"

"ہاں ۔۔ کافی روپے ہیں ۔ ویسے میں نے دو ہزار روپے ریاض کی بہن کو چپکے سے دے دیئے تھے اور یہ بات اس کہانی کے لکھنے والے مصنف یعنی اے حمید کو بھی معلوم نہیں جو ہمارے سفر کی داستان لکھ رہا ہے ۔"

"یہ تم نے بہت اچھا کیا ۔ مگر یہ اے حمید کہاں رہتا ہے ؟ کیوں نہ اس کے پاس جاکر ذرا اس کی خبر لی جائے ؟"

ناگ نے کہا :

"وہ سمن آباد میں رہتا ہے اور ہمارے سفر کی داستان کو بڑی ایمانداری سے ٹھیک ٹھیک واقعات کے ساتھ لکھ رہا ہے ۔ اگر وہ ہماری داستان میں ڈنڈی مارتا تو میں کب کی اس کی خبر لے چکا ہوتا ۔ میں اسے امریکہ میں مل چکا ہوں ۔"

کیٹی بولی :

"اچھا پہلے عنبر کا پتہ کرتے ہیں ۔ اس کے بعد سوچ لیں گے ۔"

انہوں نے قبرستان سے نکل کر سڑک پر ایک رکشہ لیا اور میانی صاحب کی طرف روانہ ہو گئے ۔ وہ میانی صاحب پہنچ کر پرانی قبر کے پاس جاکر ادھر اُدھر دیکھنے اور عنبر کو آوازیں دینے لگے ۔ مگر عنبر کا کسی طرف سے کوئی جواب نہ آیا ۔

ناگ نے کہا :

"اس کے ساتھ ضرور کوئی حادثہ ہو گیا ہے جو وہ اب تک یہاں نہیں پہنچا ۔"

"اب اسے کہاں تلاش کیا جائے ؟" کیٹی نے پوچھا ۔

ناگ جواب دینے ہی والا تھا کہ اچانک اس نے کیٹی سے کہا :

"ادھر دیکھو ۔۔ وہ کون جا رہا ہے ؟"

کیٹی نے دیکھا پرانی قبر کا سوراخ بڑا ہو گیا ہے اور اس میں بالکل ٹیلی ویژن کی طرح ایک منظر نظر آ رہا ہے ۔ اس منظر میں آسمان پر ستارے چمک رہے ہیں اور عنبر ایک گھوڑے پر سوار مغل دور کی دلی شہر کی چار دیواری سے نکل کر ایک سنسان سڑک پر چلا جا رہا ہے ۔

کیٹی نے چلا کر کہا :

"ناگ! یہ تو عنبر ہے۔"

عنبر نے بھی اس کی آواز سن لی تھی۔ اس نے پلٹ کر کیٹی اور ناگ کو دیکھا اور اشارے سے اپنی طرف بلایا۔ ناگ اور کیٹی نے قبر کے سوراخ میں چھلانگ لگا دی۔ وہ ۱۹۸۳ء کے لاہور شہر کے روشن دن سے نکل کر ۱۸۳۰ء کے دلی شہر کی چار دیواری کے باہر سنسان سڑک پر آ گئے۔ عنبر گھوڑے سے اتر پڑا۔ اس نے کیٹی سے ہاتھ ملا کر اس کا ماتھا چوم لیا اور ناگ کو گلے لگایا:

"تم کہاں چلے گئے تھے عنبر! ہم کب سے پرانی قبر کے باہر تمہارا انتظار کر رہے تھے۔"

"یہ بڑی لمبی کہانی ہے ناگ بھیا! پھر سناؤں گا۔"

کیٹی نے ارد گرد دیکھ کر پوچھا:

"ہم کہاں آ گئے ہیں؟"

ناگ نے کہا:

"تم مغل خاندان کے شاہ عالم ثانی کے زمانے میں ہو آؤ اب ماریا کی تلاش میں چلتے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ ہم تینوں ایک بار پھر اکٹھے ہو گئے ہیں۔"

کیٹی اور ناگ مسکرائے اور وہ تینوں ماریا کی تلاش میں روانہ ہو گئے اور ماریا ان سے پونے تین ہزار سال پیچھے شہر بابل سے دُور ایک صحرا میں سے گذر رہی تھی۔

◆

○ ماریا کی ملاقات کہاں ہوئی؟

○ کیا خلائی لڑکی کو خلا کے لوگ واپس اغوا کر کے لے جا سکے؟

○ عنبر اور ناگ آگے جا کر کس مصیبت میں پھنس گئے؟

یہ معلوم کرنے کے لیے آج ہی عنبر ناگ ماریا کی واپسی کی قسط ۶۹ "عنبر انگوٹھی میں اتر گیا" پڑھیں۔

مصنف: اے حمید

عنبر ناگ ماریا

کے ۵ ہزار سالہ سفر کی
پُراسرار اور سنسنی خیز داستان

۱۔ لاش سے ملاقات ۵/-
۲۔ جہاز ڈوب گیا ۵/-
۳۔ مندر کی چڑیل ۵/-
۴۔ پُراسرار غار کی مُورتی ۵/-
۵۔ ناگ لندن میں ۵/-
۶۔ تابوت میں سانپ ۵/-
۷۔ موت کا دریا ۵/-
۸۔ سانپ کا انتقام ۵/-
۹۔ سانپ کی آواز ۵/-
۱۰۔ ناگ کا قتل ۵/-
۱۱۔ شاہ بلوط کا خزانہ ۵/-
۱۲۔ پتھر کا ہاتھ ۵/-
۱۳۔ طوفانی سمندر کا بھوت ۵/-
۱۴۔ ڈائنا سورس کا جزیرہ ۵/-
۱۵۔ سیاہ پوش سایہ ۵/-
۱۶۔ انسانی بلی ۵/-
۱۷۔ سانپوں کا جنگل ۵/-
۱۸۔ ماریا اور بن مانس ۵/-
۱۹۔ قبر نما انسان ۵/-
۲۰۔ لکشمی دیوی کا انتقام ۵/-
۲۱۔ ناگ اور جادو کی ترشول ۵/-
۲۲۔ ناگ عنبر مقابلہ ۵/-
۲۳۔ لاش کی چیخ ۵/-
۲۴۔ آسیب کی رات ۵/-
۲۵۔ ۹۹ سیڑھیوں کا راز (سلور جوبلی ضخیم) ۱۵/-
۲۶۔ عنبر پھانسی کی کوٹھڑی میں ۵/-
۲۷۔ ماریا اور جادوگر سانپ ۵/-
۲۸۔ نقلی ناگ کی سازش ۵/-
۲۹۔ بابل کی بدرُوحیں ۵/-
۳۰۔ قبر کی دُلہن (خاص نمبر) ۷/۵۰
۳۱۔ آدھا گھوڑا آدھا انسان ۵/-
۳۲۔ ناگ ناگن مقابلہ ۶/-
۳۳۔ ایک آنکھ والی عورت ۶/-
۳۴۔ مُردوں کی شہزادی ۶/-
۳۵۔ سانپوں کا دربار ۶/-
۳۶۔ قبر اور ڈھانچہ ۶/-
۳۷۔ عقرب دیوتا کا پجاری ۶/-
۳۸۔ کٹا ہوا زندہ ہاتھ ۶/-
۳۹۔ عنبر لاہور میں ۶/-
۴۰۔ چڑیلوں کی ملکہ (خاص نمبر) ۱۳/-
۴۱۔ مُردہ ہوٹل اور ماریا ۱۰/-
۴۲۔ رات کا کالا کفن ۶/-
۴۳۔ کھنڈرات کی بدرُوحیں ۶/-
۴۴۔ عمباطوش اور ناگ ۶/-
۴۵۔ ماریا سونے کی مُورتی ۶/-
۴۶۔ ناگ غائب ہو گیا ۷/۵۰
۴۷۔ خون کی آبشار ۷/۵۰
۴۸۔ شیشے کی آنکھ پتھر کا دل ۷/۵۰
۴۹۔ خونی لومڑی ۷/۵۰
۵۰۔ کھوپڑیوں کا محل (گولڈن جوبلی ضخیم) ۱۵/-
۵۱۔ ماریا بوتل میں بند ہو گئی ۷/۵۰
۵۲۔ خون کی پیاس ۷/۵۰
۵۳۔ ناگ اور سُپر مین ۷/۵۰
۵۴۔ پتھریلی آنکھ والا اباسو کنڈ ۷/-
۵۵۔ ناگ اور ناگن رنگامتی ۷/-
۵۶۔ چار پُراسرار سپیرے ۷/-
۵۷۔ اسپادیوی کی مُورتی ۶/-
۵۸۔ خفیہ مندر کی تلاش ۷/-
۵۹۔ موت کا وعدہ ۷/۵۰
۶۰۔ اور قبر کھل گئی ۷/۵۰
۶۱۔ لاش کا دوسرا جنم ۶/-
۶۲۔ ماریا قتل ہو گئی ۷/-
۶۳۔ خالی تابوت یاقوتی سانپ ۶/-
۶۴۔ ماریا اور ممی کی لاش ۷/۵۰
۶۵۔ نیلی قبر کا خفیہ راستہ ۷/۵۰
۶۶۔ عنبر سانپ بن گیا ۶/-
۶۷۔ عنبر اور ڈسکو مُردے ۷/-
۶۸۔ گیٹی پھانسی کے تختے پر ۷/-
۶۹۔ عنبر انگوٹھی میں اُتر گیا ۶/-
۷۰۔ دیوی روشنک کے اژدہا
۷۱۔ عنبر کا سر کٹ گیا
۷۲۔ چنگیز خان لاہور میں
۷۳۔ دیوتا قتلام پر قربان کر دو
۷۴۔ ماریا سانپ بن گئی
۷۵۔ روح اور سانپوں والے [illegible]
۷۶۔ ماریا انارکلی میں
۷۷۔ قبر، مرتبان اور ہڈیاں
۷۸۔ سیاہ کفن پوش بلا
۷۹۔ پُراسرار فرعون کا ڈھانچہ
۸۰۔ طلسمی تختی اور سانپوں کا غار
۸۱۔ قفل والا پُراسرار چہرہ
۸۲۔ ڈاکو سپاتا اور عابدہ کا شکار
۸۳۔ روتی آنکھوں والا چراغ
۸۴۔ کھوپڑی پر جلتی موم بتی

نیا مکتبہ اقراء : ۱۴/ بی شاہ عالم مارکیٹ لاہور ۸